مرغِ ہند
ایران کے شاخسار پر

ادیبِ پیشاوری کے
اشعار و افکار پر ایک نظر

تالیف :

علی ابوالحسنی (مُنذِر)

ر ، ز ادب
7062
ACC No. 7062 Date 10/8/98
Status ...
Sec i ...
D.D. Class ...
NAJAFI BOOK LIBRARY

مرغِ ھند

ایران کے شاخسار پر

تألیف:
علی ابوالحسنی (منذر)

بنیاد اندیشہ اسلامی

نام کتاب: مرغ ہند ایران کے شاخسار پر
مصنّف: مولانا علی ابوالحسنی (مُنذِر)
زبان اصلی: فارسی
ترجمہ وکتابت: شعبۂ اردو «بنیاد اندیشہ اسلامی»
چھاپ: اوّل
ناشر: بنیاد اندیشہ اسلامی
نشانی: ایران ـ تہران ـ صندوق پستی ۳۸۹۹/۱۴۱۵۵
قیمت: ۱۴۰ روپیہ

بسم اللہ الرّحمنِ الرّحیم

سُبحانَ الّذی اَحاطَ بِکُلِّ شَیئٍ عِلمُہُ وَ نَفَذَ فی کُلِّ مَوجُودٍ حُکمُہ.

اس خدا کا شکر ہے جس نے حمد کا طریقہ سکھایا اور حمد کیلئے قوت عطا کی. ہم اسکی حمد کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے اور حمد کی طرف، راہنمائی اسی کی طرف سے ہے۔

اور انبیاء کی ارواح پر، صلوات وسلام ہو خصوصاً محمد مصطفیٰ علیہ افضل الصلوات اور ہم اوصیاء واولیاء کے لئے حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے شرف وسلام چاہتے ہیں خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے فرزندوں علیہم کرائم التحیات کے لئے۔

ادیب پشاوری

---

[1] : از مقدمہ ادیب بر رسالۂ در دفع اشکال بر قضایای ضروریات و بدیہیات اولیہ"

عصر حاضر میں گزرنے والے تمام شعراء کے درمیان "سیّد احمد ادیب پشاوری" کا مقام، سب سے بلند ہے شخصیت کی ہمہ گیری، فضل و کمال اور مختلف علوم پر مکمل، تسلّط اور عربی و ایرانی ادبیات کی جزئیات پر گہری نظر کے اعتبار سے معاصر شعراء میں کسی کو بھی ان سے زیادہ، بلند مقام کا حامل نہیں کہا جا سکتا۔

جس جلسے میں ادیب موجود ہوتے وہاں فنون ادب اور قدیم علوم کے کسی بھی باب میں کسی کو بھی اظہار فضل کی جرات نہ ہوتی ان کی بات چاہے ریاضیات میں ہو یا الٰہیات میں، تاریخ سے متعلق ہو یا شعر و ادب سے مربوط ہو؛ حرف آخر اور برہان قاطع کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ ان کے زبردست، حافظے میں اتنی سالہ معلومات کا ذخیرہ ہمہ وقت، اس طرح، موجود رہتا تھا؛ گویا وہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہو، ذرا سے توجہ کے بعد وہ ذہن میں موجود، متن اسناد اور عین اشعار روانی سے پڑھنا شروع کر دیتے اور اس طرح اس دلیل کو فیصلے سے ہمکنار کر دیتے تھے،

رشید یاسمی

در ادیب پشاوری ، لالچ اور طمع سے بہت دور تھے، انکی
شخصیت سے چاپلوسی کی بو کسی نے کبھی محسوس نہ کی، خواہشات
کی مخالفت، طبیعت کی روک تھام، بے نیازی اور عالی ہمتی
میں وہ بے نظیر تھے۔

وطن کی محبت اور ملک کی آزادی ہی ان کا مذہب اور انکی
سیرت تھی، غیروں کی طرف، جھکاؤ اور وطن سے غدّاری سے
بڑا ان کے نزدیک، کوئی گناہ نہیں تھا۔

ان کا دامن، لہو و لعب اور برائیوں سے پاک تھا اس ۳۴
سالہ مدت میں کہ جس میں مَیں تقریباً رات دن انکی خدمت میں حاضر
رہا، نہ تو میں نے ان سے کوئی غلط اور حرام کام، سرزد ہوتے دیکھا
اور نہ ہی کسی سے ان کے متعلق ایسی کوئی بات سنی۔

علی عبدالرسولی

فہرست

عرض ناشر	۱۱
دیباچہ	۱۳
پہلا باب : ادیب ، ولادت سے وفات تک	۲۵
جنگ آزادی اور ان کے قبیلہ کا قتل عام	۲۶
ادیب اور اساتید کی خدمت میں	۳۹
ادیب ، کابل میں	۳۹
ادیب ، غزنی میں	۳۹
ادیب ، تربت جام میں	۴۰
ادیب ، مشہد مقدس میں	۴۱
ادیب ، سبزوار میں	۴۱
ادیب ، تہران میں	۴۲

غروب خورشید ۴۵

دوسرا باب : ادیب کی علمی وادبی مقام ۵۱

ادیب کا شعری ہنر ۵۳

تیسرا باب : ادیب کی اخلاقی خوبیاں ۶۱

چوتھا باب : آثار و تالیفات ادیب ۶۵

پانچواں باب : ادیب اور فردوسی ۶۷

چھٹا باب : ادیب کے گلشن اشعار کی ایک گلگشت ۹۳

پہلی گلگشت : ۹۵

ادیب کے اخلاقی اور اعتقادی اشعار پر ایک نظر ۹۵

دین ، انسان کی فلاح و بہبود کا واحد راستہ ۹۷

راہ کمال کا سب سے پہلا توشہ ۹۹

راہ کمال کا دوسرا توشہ ۱۱۶

جان و تن اور ان کے درمیان نسبت ۱۱۹

ادیب اور ریاضت ۱۲۹

روح کو بری صفتوں سے پاک کرنا ۱۳۴

وجود کو فضائل سے مزین کرنا ۱۴۱

راہ کمال کی طرف ، ہدایت ... ۱۴۸

عقل اور الٰہی عشق سے اس کا تعلق ۱۵۷

حق سے عشق اور اس کا کردار	۱۷۱
پیغمبر اور ائمہ علیہم السلام سے عشق	۱۸۴
دوسری گلگشت	۲۰۱
ادیب کے سیاسی اور ظلم و استبداد کے مخالف اشعار	۲۰۱
میدان سیاست میں ضروری اور غیر ضروری امور	۲۰۳
سیاست کے لئے غیر مناسب صفات	۲۱۲
گھمنڈ اور تکبر	۲۱۲
لالچ اور حرص	۲۱۸
غصہ اور غضب	۲۲۰
رعیت پر ظلم و تشدد	۲۲۱
سیاست میں ضروری اشیاء	۲۲۳
عدل و انصاف	۲۲۳
تہذیب نفس	۲۲۸
نیک طبیعت کا مالک ہونا	۲۳۱
دین و دانائی	۲۳۴
عقلمند مشاوروں کا انتخاب	۲۴۱
حدود مملکت سے دشمنوں کے دور کرنے کا حوصلہ	۲۴۲
علم و عدل کی سرپرستی	۲۴۷

قاضی کا نقش عمل ۲۵۰
ساتواں باب : ادیب کے اشعار کے چند نمونہ ۲۵۵
حوالے اور حواشی : ۲۷۷

عرض ناشر

« بنیاد اندیشۂ اسلامی » جیسا اسکے نام سے ظاہر ہے، نشریات کے ذریعے سے حقیقی اسلام کو متعارف کرانے اور اسلامی انقلاب کے پیغام کو تمام لوگوں تک پہنچانے کیلئے تاسیس ہوئی ہے۔

اسی مقصد کے لے اب تک عربی، انگریزی، فرانسیسی، سواحیلی، اسپینی اور ہوسائی جیسی زبانوں میں اس ادارے نے کتابیں، شایع کی ہیں اور انشاءاللہ دوسری زبانوں میں بھی کتابیں شایع کرتا رہے گا۔

چونکہ نمایاں اور برجستہ شخصیتیں - جو دراصل، اسلام کے شجرۂ طیبہ کے پھل ہیں - بعض جہات سے الہی تعلیمات کے جلوؤں کی عینی مظہر ہوتی ہیں اور انکی شناخت اور پیروی، انسان ساز اور انقلاب آفرین ہوا کرتی ہے[1]۔ اسلئے « بنیاد اندیشۂ اسلامی » ایسی شخصیتوں سے بھی لوگوں کو متعارف کراتی ہے

انھیں میں سے ایک مرحوم سید احمد رضوی معروف بہ « ادیب پیشاوری » ہیں جو عالم اسلام کی ممتاز اور کم نظیر شخصیتوں میں ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ خود ان کے وطن (ہندوستان) میں بھی انھیں اسطرح نہیں پہنچوایا گیا جب کہ حق تھا۔ اور انکی علمی و معنوی بلند مقامی، گمنامی کے غبار میں چھپ کر رہ گئی۔ یہی وجہ تھی کہ بنیاد اندیشہ اسلامی نے زیر نظر کتاب کا اردو ترجمہ کرا کے

---

[1]: جیسا کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شناخت اور پیروی، اس بات کو ثابت کردیا

اسے زیور طبع سے آراستہ کیا. یہ کتاب کسی حد تک ادیب پیشاوری کی علمی شخصیت کو روشناس کراتی ہے اور انکی زندگی کے دینی، ادبی، سیاسی، اور فرہنگی پہلوؤں کا تجزیہ اور تحلیل کرتی ہے.

اس کتاب کے مصنف، حجۃ الاسلام والمسلمین علی ابوالحسنی (منذر) کا شمار، حوزہ علمیہ قم کے ان افاضل میں ہوتا ہے جو درد آشنا اور دلسوز ہونے کے ساتھ، نہایت ہی فعّال ہیں. آپ کی متعدد اور مفید تالیفات نے ہدایت اور عام بیداری کے سلسلے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے.

آپ نے شبہ قارہ ہند کے متعلق بھی نہایت گرانمایہ تحقیقات، انجام دی ہیں جن کا نچوڑ، تین حصوں میں کیا جاسکتا ہے:

۱: ہندوستان کے تمدن اسلامی کا درخشان ماضی.

۲: استعمار کے خلاف، ہندوؤں اور مسلمانوں کے مبارزات کی تاریخ

۳: مختلف طبقوں اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان بھائی چارگی سے زندگی بسر کرنے کی فضا قائم کرنے کے سلسلے میں مہاتما گاندی کی جدوجہد اور ان کی آرزوں کی وضاحت. امید ہے کہ: وہ بھی اردو میں ترجمہ ہوکر شایع ہونگی.

آخر میں صاحب نظر، قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اپنی اصلاحی تجاویز کے ذریعے ہم سے تعاون کریں.

بنیاد اندیشہ اسلامی

دیباچہ

حکیم ریاضی داں، ہیئت شناس، تاریخ داں، دین شناس، شاعر، ادیب، اور اسلام کے عظیم حامی "آقا سید احمد معروف بہ ادیب پشاوری" پشاور میں (جو اس وقت، افغانستان کا حصہ تھا اور اب پاکستان میں شامل ہے) پیدا ہوئے۔

عمر کے ابتدائی دور میں انہوں نے اپنے وطن کو "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے گماشتوں کے قبضے میں بطور انگلستانی نوآبادی کے پایا اور پھر ۱۸۵۷ میں ہندوستان کے انقلاب کی خاموشی اور انگریزوں کے ہاتھوں ان کے قبیلے کی خونریزی اور قتل عام کی وجہ سے عنفوان شباب ہی میں مجبوراً انھیں افغانستان لوٹ آنا پڑا۔

کئی سالوں تک اس ملک کے مختلف شہروں میں تحصیل علم کے بعد

آخر کار، انھوں نے سرزمین ایران پر، قدم رکھا اور مشہد و سبزوار وغیرہ میں تھوڑی بہت تعلیم وتعلم کے بعد، سرانجام تہران تشریف لے آئے اور اواخر عمر یعنی تقریباً پچاس سال تک اسی شہر میں صاحب استعداد حضرات کی اخلاقی، اجتماعی، سیاسی تعلیم اور دینی اشعار کہنے میں مشغول رہے۔

اس طرح، اس انسان کے نشیب و فراز، سوز و گداز سے بھرے ہوئے دفتر حیات کے ساتھ وسطی ایشیا کے چار ملک (افغانستان، ہندوستان پاکستان اور ایران) کا نام ایک تسبیح کے دانوں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ بٹی ہوئی ایک رسی کی طرح، جڑا ہوا ہے۔

آخری ملک یعنی ایران کو اس عظیم شخصیت کے آخری عمر کے پچاس سال، حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اسکی پرورش فکری اہال اور ثقافت پروری کا بھی امتیاز حاصل ہے اور ادیب کی ہمہ گیری علمی اور جہاد و ہجرت سے پر زندگی کو دیکھتے ہوئے اگر ہم انھیں اسلامی ایران کی ثقافت کے مایۂ ناز خزینہ اور ہندوستان کی قدیم معنویت اور ثقافت کے نقطۂ اتصال کے نام سے یاد کریں تو بالکل مناسب ہوگا۔

گو کہ ادیب اپنی جوانی کے شروع ہی سے ہندوستان بدر ہوگئے تھے اور آخری عمر تک اس جدائی کے داغ کو اپنے دل پر لئے رہے کبھی ایک لمحہ کیلئے ہندوستان اور وہاں انگریزوں کے ہاتھوں ہونے والے

مظالم کو بھلا نہ پائے ۔

ادیب اپنے آپ کو ہندوستان کی عظیم نعمت کا پروردہ سمجھتے تھے ان کی نگاہوں میں ہندوستان کے در و دیوار ، اس بے بال و پر پرندے کی طرح تھے جو لاچاری کے عالم میں انگریزوں کے پنجے میں پھڑپھڑا رہا ہو جسکے بعد وہ اس ماں کی طرح فریاد کرتے تھے جس کا جوان بیٹا مرگیا ہو :

ای ہندوستان ! رات تجھے میں نے اپنے خواب میں دیکھا تو گویا ایک چھوٹے سے بے بال و پر ، پرندے کی طرح شکاری کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے اور بے اختیار نالہ و فریاد کر رہا ہے ۔

میں اس بڑھیا کی طرح رو رہا ہوں جس کا جوان بیٹا مرگیا ہو ۔

میں تیری بے پناہ نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں تیری ہی نعمتوں کا پروردہ ہوں ۔!

ادیب کے پہلی جنگ عظیم میں کہے گئے پرجوش قصیدوں کا ایک بڑا حصہ ہندوستان میں انگریزوں کے مظالم کی وضاحت اور وہاں کے باشندوں کو ان کے خلاف قیام کی تحریک کرنے پر مشتمل ہے ۔ ادیب کے سینکڑوں اشعار ، کھلی شہادت دیتے ہیں کہ انھیں انگریزوں کی نابودی اور شبہ قارہ

ہند میں ان کی سلطنت کے دوران وہاں کے مسلمانوں کی آزادی سے حد درجہ، لگاؤ تھا۔

یقیناً یہ کہنا درست ہوگا کہ ایسے ہی درخشاں ماضی کی بدولت ہندوستان کی سرزمیں پر ایک عظیم انسان "گاندی" کے نام سے ابھرا جس نے ہندوستان کے ہندو مسلمان سب کے حقوق کے دفاع کے لئے اپنی جان، داؤ پر لگادی!

ہندوستان کے بعد (تقسیم سے پہلے والا ہندوستان) ہمیں کہنے دیجے کہ ادیب کی تمام دلچسپیاں اور روحانی و معنوی تعلق، اسلامی ایران اور یہاں کی گرانمایہ ثقافت سے تھا۔ کیونکہ ادیب، شہر پشاور کے ماضی تھے جہاں کے لوگ، پشتو بولتے ہیں جو فارسی، اردو وغیرہ سے ملی جلی ہے۔

یوں بھی فارسی کا پشتو میں اثر ہونے کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: وہاں کے اکثر لوگ، عام طور سے فارسی جانتے تھے[۲] اور اصولاً تو یہ کہنا چاہئے کہ اسلامی ایران کے بعد یہ شہر، فارسی زبان کی نشر و اشاعت کے اہم مراکز میں شمار ہوتا تھا۔[۳]

اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ: ادیب، پیدا تو پشاور میں ہوئے تھے مگر ان کے افکار و نظریات، ہر جگہ سے زیادہ، اسلامی ایران کے مرہون تھے تو غلط نہ ہوگا اور یہی نہیں یہ بات تو ہندوستان و افغا

افغانستان کے دوسرے شعرا پر بھی صادق آتی ہے۔[43]

جب قند فارسی (شعر و ادب) ایران سے بنگال (ہندوستان) پہنچی تو ہندوستان کے شعرا بھی شکرشکن، شیریں گفتار ہو گئے۔ مثال کے طور پر "میرزا غالب دہلوی" جو ہندوستان کے نامور فارسی گو شاعر اور شبہ قارہ کے قدیم اسلوب کے آخری شاعر، سمجھے جاتے ہیں، کہتے ہیں :

غالب درحقیقت، گلستان عجم (ایران) کا بلبل تھا
میں نے غلطی سے اسے طوطی ہند کہہ دیا۔

دوسری جگہ کہتے ہیں :

لوگ جو کہتے ہیں کہ : غالب، ہندوستان کا ہے؛ ایسا
نہیں ہے بلکہ ہم تو قم، اصفہان و ہرات کے رہنے والے ہیں
اور ٹھیک یہی صورت حال، آخری زمانے کے مشہور شاعر

"ڈاکٹر اقبال لاہوری"، کے ساتھ بھی پیش آتی ہے جنھیں پاکستان بنانے کی سوچ کا بانی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اردو کے شیریں اشعار کے مقابلہ میں فارسی کے طرز دری میں اردو سے بہتر اور شیریں تر اشعار کہے ہیں؛ اور اسی وجہ سے انہوں نے مختلف الفاظ اور طرح طرح کے اسلوبوں کے ذریعہ، ایران اور یہاں کی اسلامی ثقافت سے اپنی شدید وابستگی کا اظہار کیا ہے :

ہم تو محرم راز ہیں، ہمارے ساتھ راز و نیاز

کرو اور ایران کے متعلق جو بھی جانتے ہو ذرا لہجہ سے کہو میرا
جسم، جنت کشمیر کی پھلواری کا ایک پھول ہے، دل حجازی
ہے اور صدا شیراز کی۔

مگر ان سب کے باوجود، ادیب کا تعلق، ایران اور ایرانیوں سے بہت وسیع و عمیق تھا جو یقیناً مرزا غالب اور اقبال سے کہیں زیادہ تھا۔ ادیب کو ایسا فارسی گو بلبل کہنا چاہیے[۵] جو گلستان ایران میں ایک لمبی مدت تک اس زمین کے دانوں کو چنا اور اس راہ میں اتنے آگے نکل گئے کہ خود ان کے بقول: ایران بہادروں کے حماسہ گو شاعر ہو گئے:

اے قلم! تو میرے ہاتھوں میں کمند بن جا اور
چاند و سورج کو میرے جال میں ڈال دے۔
اگر واقعی کچھ لینا چاہتا تو چاند و سورج لے اور ایسے
فارس سے تخت جمشید لے لے۔[۶]
اور وہاں اے ایرانیاں! اگر تو تجھے برسنا ہے تو
پانی کے بجائے گوہر آبدار برسا اور ہر صدف کے دہن میں
موتی بھر دے۔
فارسی کے شعروں پر موتی برسا واہ کیا کہنا! کے
شعروں کا ملک فارس کا میں بھی ثنا خوان ہوں اور ہاشمی
قنبر کے مانند میں بھی فارسی کا قنبر ہوں۔

میں سارے ایرانیوں کی زبان ہوں اور میں ہی
دلیروں کا ترجمان ہوں۔[۵]

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ: کیا ادیب کی تمام تر دل چسپیاں اور قلبی رابطے فقط انہیں دو ملکوں (ہندوستان و ایران) کے عوام کی خیر خواہی تک ہی محدود تھے؟

نہیں بلکہ ادیب کا دل، تمام مسلمانوں بلکہ تمام مشرقیوں اور مظلوم انسانوں کے لئے ہمدردی سے معمور تھا۔

وہ جتنا ہندوستان و ایران کے حالات سے دلچسپی رکھتے تھے اتنی ہی انہیں مصر و عراق اور افغانستان کے عوام کی نجات کی فکر بھی لاحق تھی۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود اپنی مثنوی "قیصر نامہ" میں انگریزوں کی طرف، ان ممالک کے عوام پر ہونے والے مظالم کے لئے اپنے درد کا اظہار یوں کیا ہے:

جب بھی مجھے عراق عرب کی یاد آتی ہے تو میرے
دل سے میرے دماغ کی طرف، شعلہ سا لپک جاتا ہے
جب میں وہاں کے عوام کو پریشان اور حکام کو غافل
پاتا ہوں تو میری آنکھیں دجلہ و فرات ہو جاتی ہیں۔
مصریوں کے نالہ و فغان سے میری آنکھیں بھیگ

گئی ہیں۔ میں ان کی آہ وفغان کی وجہ سے رات بھر سو
نہیں سکا اور اتنا رویا کہ جیسے دریا کے نیل میری آنکھوں
سے بہہ رہا ہوں۔

میرا دل اداس ہو جاتا ہے جب کبھی ہندوستان
کے ہاتھیوں کی طرح میں خواب میں دیکھتا ہو کہ: رات سے لیکر
صبح تک ایسے رُویا کہ گویا میری آنکھوں میں پسی ہوئی مرچیں
بھر دی گئی ہو۔

میں ہندوستانیوں کے غم میں اس طرح سلگ رہا ہوں
جیسے کسی ہندو کی لاش اسکی چتا پر جلتی ہے۔
یا اس سے بڑھکر کہوں کہ ہندو کی لاش کی طرح
نہیں بلکہ کسی زندہ "ستی" کی طرح میں آگ میں بیٹھا
ہوا ہوں۔

ہندوستان کی مظلومیت اور انگریزوں کے ظلم کو
دیکھ کر میری آنکھیں "گنگا جمنا" کی طرح بھنے لگتی ہیں۔
اس کے صندل کی برومند شاخ کو ہزار ہا رنج والم
کا سامنا ہے کیونکہ اس پر زہریلے سانپوں نے حملہ کر دیا ہے
کبھی ایران پر میرا دل روتا ہے تو کبھی افغانستان کی حالت
مجھے تڑپاتی ہے۔

خدایا! کیا کبھی ایسا وقت بھی آئے گا کہ ان باغوں
سے کوئے زخمی حالت میں بھگا دے جائیں گے جس طرح منبر
پر خطیب بیٹھا ہے اس طرح گل پر بلبل بیٹھیں۔

اس طرح، ادیب، اسلام اور تشیع کے ایک ایسے فرزند تھے جن کے دل میں مشرق بلکہ تمام دنیا کی قوموں کا درد سمٹا ہوا تھا۔ ان کے اشعار کا ایک ایک مصرع ایسے سوز و گداز کا حامل ہے جو ان کے درد دل کے آتش فشان اور گداز قلب کے نتیجے میں صفحہ قرطاس پر بکھر گیا۔

ذکر و فکر سے بھرپور ان کے تمام اشعار میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ وہ مشرق کے تمام مسلمان اور شمالی افریقہ سے لیکر مشرقی ایشیا تک کے لئے ایک حلقہ ارتباط بلکہ ان کے اتحاد کے لئے ایک اہم عامل قرار پائیں اور ان سب کو عالمی اجارہ داری کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا درس دیں۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ کتاب حاضر «بنیاد اندیشہ اسلامی» کے عہدہ داروں کی توجہ کیوجہ سے اردو میں ترجمہ ہوئی اور ہند و پاک کے باشندوں تک پہونچی اور اس طرح یہ لوگ، طوطیان ہند میں سے ایک ایسے خوش گفتار طوطی سے آشنا ہوئے جس نے قند فارسی سے شکر کھائی تھی اور یہ لوگ اپنے وطن کے ایک ایسے بلبل کے دلکش نغموں اور ترانوں سے آشنا ہوئے جس نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ وطن عزیز ایران میں گذارنے کے بعد وفات پائی۔ ہمیں اسلامی تہذیب کا شکر گذار ہونا چاہئے جو صدیوں سے

عظیم الرتبت انسانوں کو پیش کرتی چلی آرہی ہے اور اب بھی پیش کر رہی ہے۔

یاددہانی : اس کتاب میں سب سے پہلے ہم ادیب کی زندگی کا آغاز سے انجام تک ایک خاکہ پیش کریں گے اسکے بعد، ان کے عظیم علمی و معنوی مقام کے بارے میں صاحب نظر افراد کے خیالات سے آگاہ ہونگے اور آخر میں خاتمہ پر ہم ان کے دیوان اور مثنوی قیصر نامہ کی گل گشت کریں گے اور ان کے اعلا و پر معانی مضامین کا ایک منظم بحث کی شکل میں دو ابواب اخلاقی و اعتقادی اور ظلم کے خلاف، تحریک کی صورت میں جایزہ لیں گے البتہ ادیب کے استعمار مخالف اشعار کی شرح اور ان کے اسباب وغیرہ کا بیان دوسری جلد میں آئے گا۔

ادیب کے اشعار بعض موارد میں ایک طرح کی تعقید اور صعوبت فہم سے خالی نہیں ہیں۔ بعض لفظی و معنوی پیچیدگیاں نیز تاریخی و تفسیری حکمی و ادبی یا ریاضی اشارے اور بعض ایسے اصطلاحات کا استعمال جو مثلاً شاہنامہ جیسی کتابوں میں بکثرت استعمال ہو ہیں ہیں مگر آج کل تقریباً متروک ہیں۔

ایسے عوامل ہیں جو ادیب کے اشعار کو سمجھنے کی راہ میں خصوصاً نو آموزوں کیلئے مشکلات کھڑی کر سکتے ہیں اور بعض دوسرے مشکل، مصرعوں کو سرے سے حذف کر دیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ادیب کے اشعار، ذکر کرنے سے پہلے ہی ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ آنے والے اشعار کا نچوڑ اور معنی کی روح کو بیان کرتے ہوئے ان کے صحیح مقام سے آگاہ کریں اس امید پر کہ شاید ان کا کلام پڑھنے والوں کیلئے اس روش کے وجہ سے ان کی شیرینی کا ادراک آسانتر ہوجائے۔

بعض اشعار، مختلف پہلوؤں اور گوناگوں جہات سے ذکر کیے گئے ہیں جسکی وجہ سے کئی مقامات پر ان کی تکرار ہوئی ہے جو آپ آگے چل کر خود ہی ملاحظہ فرمائیں گے۔ اشعار ادیب کو نقل کرنے میں ہم نے مندرجہ ذیل دو ماخذ پر اعتماد کیا ہے:

الف ‹‹ دیوان ادیب پیشاوری ›› طبع وتصحیح وتعلیق از ‹‹ علی عبدالرسولی ›› طبع دوم سلسلہ ‹‹ نشریات ما ›› تہران مطابق ۱۹۸۴ اس ماخذ کو ہم نے پوری کتاب میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ‹‹ دیوان ›› کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ب ۔ کلیات دیوان ادیب پیشاوری میں درج ‹‹ قیصر نامہ ›› نسخہ خطی شمارہ ۱۳۷۶۸ ‹‹ کتابخانہ مجلس شورای ملی ›› سابق بہارستان، مرحوم عبرت نائینی کے خط میں اس طرح، قیصر نامہ کے دوسرے نسخے مثلاً وہ خطی نسخہ جس کی ترتیب اور حاشیہ آرائی مرحوم عبدالرسولی کے ہاتھوں ہوئی اور جو اسی، لائبریری میں ‹‹ مائیکروفلم ›› نمبر ۵۳۴ ایس موجود ہے سے بھی استفادہ کیا؛ البتہ ہر جگہ پوری کتاب میں ہیں جہاں بھی اختلاف، نظر آیا ہم نے خطی نسخے قیصر نامہ

کو میزان و معیار، قرار دیا۔

ادیب کے اشعار کے جملوں معانی اور وضاحت کے لئے بعض لغات جیسے: "برہان قاطع"، "فرہنگ معین"، "فرہنگ عمید" اور "لغت نامہ دہخدا" کے علاوہ، میرزا عبدالرسولی کے روان اور بہترین حاشیہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اسی طرح مرحوم عبدالرسولی کا اس دیوان پر مقدمہ بھی ہمارے لئے ادیب کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں معاون رہا۔

قم حوزہ مقدسہ علمیّہ
علی ابوالحسنی (منذر)
پائیز ۷۳، ۱۴ نومبر ۱۹۹۴

پہلا باب

ادیب کی زندگی

ولادت سے وفات تک

ادیب کی پیدائش: آقا سید احمد رضوی معروف بہ "ادیب پشاوری" تیرھویں صدی ہجری کے اواسط میں پشاور کے بلند و بالا پہاڑی سلسلوں میں بسے ہوئے اس زمانے کے ایک بہادر خاندان میں پیدا ہوئے۔[1]

ادیب کا وطن پشاور اب پاکستان کا ایک حصہ ہے مگر ہمیں معلوم ہے کہ اس وقت پاکستان اور بنگلہ دیش انگریزی قلمرو کے ایک جزء کی حیثیت سے "شبہ قارہ ہند"[2] کا ایک حصہ تھے۔

ادیب کی تاریخ پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض نے ان کی

تاریخ پیدائش ۱۲۶۵ ہجری قمری بتاتی ہے[۳]۔ اور دوسرے کچھ مورخین نے ۱۲۵۵[۴] اور ایک دوسرے گروہ نے ۱۲۵۷[۵]۔ مگر اکثر لوگوں نے جن میں مرحوم عبدالرسولی بھی شامل ہیں، ۱۲۶۰ کو درست جانتا ہے[۶]۔

خاندان ادیب:

ادیب، سید شہاب الدین معروف بہ "سید بابا" کے فرزند اور ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جنہیں "سادات اجاق" کہا جاتا تھا۔ ان کی اکثریت اہل ذکر، زہد و تقوی و دعا تھی[۷]۔

ان کا تھکانہ، پشاور اور افغانستان کے سرحدی علاقہ میں تھا مگر شہر پشاور میں بھی ان کا گھر تھا وہاں کے لوگوں کو ان کے خاندان پر اعتقاد کامل تھا لوگ، ان کی درخشان باطنی قوتوں سے فیض حاصل[۸] کرتے تھے ادیب کی والدہ کا نام "مہد علیا" تھا یہ بھی اشرف سادات حسینی سے تعلق رکھتی تھیں جن کا سلسلۂ نسب، امام سجاد علیہ السلام سے ملتا ہے[۹]۔

جنگ آزادی اور ان کے قبیلہ کا قتل عام

مارچ ۱۸۴۹ مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۵ میں انگریزوں نے پشاور پر قبضہ کرلیا، پشاور، ہرات و ہندوستان کی تاریخی شاہراہ پر واقع ہے پشاور سکندر کے زمانے سے نادرشاہ درانی کے دور تک ۱۹ مرتبہ ہندوستان پر حملہ آوروں کے ہاتھوں تباہی کا شکار ہوا[۱۰]۔

پیشاور پر قبضہ ہونے سے پہلے افغانستان ایک خاص فوجی اہمیت کا حامل تھا جس کا سبب اس ملک کی ایران و روس سے ملی ہوئی سرحدیں اور ہند پر حملے کے لئے اہم ترین عبور گاہ "درۂ خیبر" کے علاوہ اور کچھ نہ تھا

اسی طرح ہرات بھی افغانستان پر قبضے کیلئے کلیدی حیثیت کا حامل تھا ہندوستان میں استعماری ڈھانچہ امن و امان کیلئے اس بات کی بڑی سخت ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ ہرات، خراسان سے جدا ہو کر قندھار و کابل کے ساتھ ملک ایک ایسا مجموعہ تشکیل دے جو کمزور حکومت کے تحت، ہندوستان کی دفاعی قوتوں کا جزء بن سکیں مگر سندھ، پنجاب اور پیشاور پر قبضے کے بعد، یہ تمام باتیں تقریباً بیکاری ہو گئیں اور ہرات میں استعماری ضرورتوں کی شدت[11] میں خاص کمی واقع ہو گی کیونکہ انگریزوں کے پیشاور پر تسلط کی وجہ سے ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک ایسے رکاوٹ پیدا ہو چکی تھی جو ہندوستان پر حملہ کرنے والوں کی طرف سے انگریزوں کو اطمینان دلا رہی تھی۔[12]

ظاہر تھا کہ یہ صورت حال، پیشاور کے غیور و دیندار عوام کیلئے بڑی سخت اور ناقابل تحمل تھی اور دیر یا زود،[13] کسی مناسب موقع پر اس کے خلاف شدید ردّ عمل کی آگ بھوٹ پڑنی تھی اور پھر ۱۸۵۷ء میں ایسا مناسب موقع انکے ہاتھ آ ہی گیا جسے "غدر" کہا جاتا ہے۔

ہندوستان پر انگریزی تسلط اور ان کے جرائم بلاشبہ اوراق تاریخ کی ایسے سیاہ ترین اور عبرت انگیز داستانیں ہیں جن پر بہت سے کتاب تحریریں

لائیں جسانی چاہیے۔

ہندوستان اپنی اس عظیم آبادی کی وجہ سے برطانوی سلطنت کی تمام نوآبادیوں کا نصف تھا[14] اور لندن کے خیال میں ہندوستان، برطانوی حکومت کا ایک نہایت اہم جزء تھا۔[15]

ہندوستان پر ان کی سلطنت کا آغاز، تجارت کے بہانے ہوا اور مکمل سیاسی غلبے کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ انگریزی تسلط کی تلخ و شیریں داستانوں کی طرف، اشارہ اور اس غلبے کے اسباب و علل کی وضاحت نیز ان سے گلو خلاصی کی راہیں ہے دراصل ادیب کے اشعار کے مضامین تھے جن کی بار بار وہ تکرار بھی کیا کرتے تھے۔

ادیب کے اشعار کے آئینے میں اجمالاً صورت حال یہ تھی: سیاحان غرب کی برابر مشرق کی سیر اور یہاں قدرت کی بھرپور فیاضی کے منابع کے مشاہدے سے یورپ کی دیگ طمع، ابلنے لگی اور ان کے دستے مثلاً پرتگالی وغیرہ مشرق پر آئے اور فریب و جھوٹ کے ذریعے اپنے دامن کو بھر کر لے گئے؛ انگریز نے جب اپنے رقیب کو پر دامن دیکھا اس نے اپنے دل میں اپنی قسمت کو مخاطب کر کے کہا:

"میرا رقیب تو خزانے جمع کر دیا ہے اور میں رنج اٹھا رہا ہوں"[16]

اس کے بعد فوراً انھوں نے اپنی ناو پانی میں ڈال دی اور تیزی سے ہندوستان کی طرف بڑھنے لگے مگر وہاں پہنچنے کے بعد، جب بابر کی مغل حکومت کی شان و شوکت دیکھی تو سمجھ گئے کہ اس طرح بلا سوچے سمجھے کود پڑنا مناسب نہیں ہے بلکہ

اس در و دیوار کے کسی بھی شہنشاہ سے لڑائی مول لینا قرین مصلحت نہیں ہے جہاں جنگ ناگزیر ہو جائے وہاں کسی ملک کے امراء کے درمیان شدید اختلاف کو جنم دے کر اور ان میں سے بعض کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

انگریزوں نے تاجروں اور ریشم کے بیوپاریوں کی شکل میں ہند کی زمین پر قدم رکھا؛ ان کے سامانوں میں چھوٹی بڑی تمام چیزیں موجود تھیں اس کے بعد، آہستہ آہستہ ملکی صنعت کو تباہ کر کے اور بزدل و بے بصیرت، حکمرانوں کے دل جیت لینے کے بعد اور ان کے درمیان شدید اختلاف پیدا کر کے آخر انہوں نے اس ملک پر سیاسی و فوجی بالادستی قائم کر لی اور اس کے بعد، جو ہونا تھا وہی ہوا۔

ایک زر پرست اور حریص قومیت کا آدمی ایک چرب
زبان اور چالاک تاجر کے بھیس میں آیا
اس نے اپنی تجارت کا سامان اتارا اور کچھ ہی دنوں
میں شہر کا مالک بن بیٹھا۔
اس نے حیلے و بہانے کے سرمایے اور جادو کرنے سے
تفرقہ، ایجاد کر کے کتنے ہی بے گناہوں کا خون بہایا اور فتنہ
و فساد پھیلایا۔
اس کے مقابلہ کی تاب نہ کر کتنے ہی حکمرانوں نے اسے

خراج دینا شروع کردیا اور کتنے قید و بند کی زندگی گذارنے لگے جبکہ یہ لوگ (شاہان ہند) یکہ و تنہا نہیں تھے۔

مگر ان کی کوتاہیوں اور بیوقوفیوں کی وجہ سے تمام خزانہ لوٹ لئے گئے، وہ شاہی کس کام کی جس کے سر سے تاج اتار لیا گیا ہو۔

بہت سے حکمران اسکی فریب کاری کی وجہ سے اپنی حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور انھیں سیاہ دن دیکھنے پڑے۔

ہندوستانیوں کے کام، انکی قسمت اور انکے انجام پر اب میں
صرف آہ سرد کھینچ سکتا ہوں[۱۷]۔

ادیب نے انگریزی تسلط کا نام "مردہ خور" رکھا ہے اس طرح کی تعبیرات میں ان کے یہ اشارے دراصل، انگریزوں کی مشہور سیاسی روش "ڈکیٹرین لپس" کے نتیجہ میں ہو سکتے ہیں[۱۸]۔

ڈکیٹرین لپس دراصل اس غارتگر سیاست کا نام ہے جسے "لارڈ ڈلھوزی" ہندوستان کا انگریز گورنر نے ۱۸۴۸ء میں وہاں کی حکومت کے بچے کچے، اثرات کو برو ے کار لاکر، ہندوستانیوں کی دولت و طاقت کو "ایسٹ انڈیا کمپنی" کی تھیلی میں ڈال دیا[۱۹]۔

ہندوستان میں انگریزوں کے مظالم خصوصاً ڈکیٹرین لپس کا اجرا آہستہ آہستہ لوگوں کو اس حکومت سے متنفر و برہم کرنے لگا اور ہر گوشہ و کنار سے لوگوں

کے قیام کا سبب بھی بنا اور آخر کار ۱۸۵۷ء میں آتش فشاں پھٹ پڑا۔ ہند کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کے قیام کو عظیم شورش سپاہیانی جنگ آزادی اور "غدر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[۲]۔

غدر ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو نبی جنگ پلاسی میں ہندوستانیوں کی شکست کے سویں سال، وقوع پذیر ہوا۔ اس شکست کے نتیجے میں بنگال، انگریزی فوجوں کے قبضے میں آگیا تھا اس انقلاب کی پہلی چنگاری دہلی کے شمال مشرق میں واقع میرٹھ کی ایک چھاؤنی میں بھڑکی اور جلدی ہی شمال کے تمام علاقوں اور مرکز ہند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یہ انقلابی تقریباً دو سال تک انگریزی طاقتوں کے سامنے ڈٹے رہے

۱۸۵۷ء کا انقلاب دراصل انگریزوں پر، ہندوستانیوں کے حد درجہ غم و غصے کا نتیجہ تھا جو مندرجہ ذیل عوامل کے رد عمل کے طور پر وجود میں آیا:

۱- ہندوستانی زمینداروں کی املاک، ضبط کرنا وہاں کے شاہزادوں اور زمینداروں کی دولت و جایداد پر قبضہ کر کے انہیں پنشن لینے والا گروہ بنانا

۲- فوجیوں کی سر عام، حق تلفی۔

۳- ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدالتوں میں فساد و رشوت کا عام رواج

۴- اسلام اور ہندوستان کے دیگر مذاہب کے خلاف، انگریزی مشن کی تبلیغات۔

۵- مغربی تہذیب و زبان کی ترویج اور فارسی سے کھلم کھلا جنگ، اور ہندوستانی ثقافت میں اچھا خاص اثر رکھنے والی ایرانی تہذیب

کی تحقیر۔

یہ تمام عوامل، ایسے تھے جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک طرح کا مذہبی تعصب، پیدا کر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے کافر حکومت کے تحت، عادلانہ روش کے ساتھ بھی زندگی گذارنا پسند نہ کیا تو پھر ایسے انگریزی لارڈوں کے تحت رہنا ان کیلئے ناممکن تھا جو کسی طرح کے ظلم وتبعیض سے کبھی نہ چوکتے تھے۔ ہندوں کا مذہبی تعصب بھی ان کے خلاف کچھ ایسے نوعیت کا تھا۔

مثال کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے متعلق یہ خبر کہ وہ کارتوسوں پر، سور اور گائے کی چربی لگاتے ہیں ایک ایسی آگ تھی جو ہندو مسلمان دونوں ہی کے غصہ کے بارود پر بجلی کی طرح، گری جس نے اس انقلاب کے وقت کو جو ظاہراً ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء تھا، ۲۱ دن آگے کھینچ لیا۔

قصہ یہ تھا کہ کچھ سپاہیوں نے تازہ کارتوس لینے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں میرٹھ کے دورے پر آئے انگریزی افسروں نے انھیں معزول کر کے قید کر لیا اور دور و دراز علاقے میں بھیج دیا۔

اس کے ردعمل میں تمام فوجیوں نے بغاوت کر دی مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ کے مسلمان انقلابیوں نے ۴ مختلف گروہوں میں بٹ کر انگریزی فوجیوں اور عہدہ داروں کا قتل عام، شروع کر دیا قیدیوں کو آزاد کرایا اور تین دن بعد، دہلی کی طرف، چل پڑے۔

شہر کے محافظوں نے ان کے لئے دروازے کھول دیئے اور کچھ ہی دیر میں دہلی کی چھاؤنی پر انقلابیوں کا پرچم لہرانے لگا۔ اب وہ وقت آگیا تھا جب انگریز مدتوں سے چلی آرہی تانا شاہی کا جرمانہ ادا کریں، مسلمان مغل سلسلے کہ آخری بادشاہ "بہادر شاہ ظفر" کو جو انگریزوں کے تسلط کی وجہ سے اپنی حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور کمپنی سے پنشن لینے والوں میں شامل ہو چکے تھے۔

انقلابیوں نے ہندوستان کی واپسی کی علامت کے طور پر، تخت حکومت پر بٹھا دیا۔[21] دینی علماء نے ان انگریزی لٹیروں کے خلاف، جہاد کا فتویٰ دیا اور ان میں سے بہت سے علماء ہتھیار لیکر، میدان جنگ میں کود پڑے۔[22] دہلی کی حکومت، دوبارہ تشکیل دی گئی اور ہر طرف سے تحفے و تحائف کا سیلاب، بہادر شاہ ظفر کے دربار میں امڈ آیا۔

کان پور، گوالیار، لکھنؤ، جھانسی اور دہلی جیسے اہم مقامات پر بغاوتیں ہوئی اور وہاں کے وہ زمیندار جنھوں نے ڈکیٹرین لیپس کی وجہ سے اپنی عزت ومقام کو کھو دیا تھا علم بغاوت لیکر کھڑے ہوگئے۔

ابتدائی چار مہینوں میں اس بغاوت و انقلابی تحریک کا پھیلاؤ بڑھتا ہی گیا۔ بدیسی لٹیرے ہر محاذ پر مسلسل پیچھے ہٹتے گئے۔ مگر افسوس پانچویں مہینے میں دہلی دوبارہ انگریزوں کے تسلط میں آگئی جسکی وجہ سے انقلابیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس بغاوت کی محدودیت اور اس کا مکمل طور سے ہندوستان میں نہ پھیلنا

دراصل، بعض حکام اور سیاست دانوں اور عوام کی انگریزی حکومت کے ساتھ وفاداری مخصوصاً سکھوں کا ایک اہم گروہ، گورکھوں اور پنجابیوں کی انگریزوں کے ساتھ، نمک حلالی نیز تحریک کے مرکزوں میں خودمختار اور ایک حتمی فیصلہ کن تند و ہمہ گیر، قیادت کے فقدان کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کے درمیان بعض اصولی اختلافات، اس بغاوت کے اہم کمزور پہلو اور ان انقلابیوں کی شکست کے عوامل ہیں۔

مندرجہ بالا عوامل واسباب نے مکار و قہار دشمن کو اضطراب اور بوکھلاہٹ سے نکل آنے کے کافی مواقع، فراہم کر دینے اور اس وجہ سے ان کے لئے دوبارہ اکٹھا ہو کر فوجی نظم وضبط کے ساتھ ایک قیادت کے زیر سایہ، جدید ترین جنگی ہتھیاروں کی مدد سے اپنا کام شروع کر کے دہلی کے وفادار سپاہیوں اور زمینداروں کی سرکوبی کیلئے ایک منظم حملہ کرنا آسان ہو گیا اس کے بعد، صرف، پانچ دنوں کے اندر اندر انھوں نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ میں دہلی کو واپس لے لیا۔

شہر دہلی جو اس تحریک کی شہ رگ تھی اور جہاں غدر کا دل، دھڑک رہا تھا انگریزوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا اور یوں ہی نہیں بلکہ بڑے ہی بے رحمانہ و وحشیانہ طریقے سے فتح ہوا جس کے اثرات، سالوں تک ویرانی کی صورت میں دکھائی دیتے رہے۔[۲۴]

بہادر شاہ کو گرفتار کرنے کے بعد، ان پر مقدمہ چلایا گیا اور پھر انھیں برما کے دور و دراز شہر "رنگون" میں جلاوطن، کر دیا گیا جس کے

پانچ سال بعد ان کا انتقال ہوگیا اور ان کے تمام بیٹے بغیر مقدمہ چلائے ہیں قتل کردے گئے'!

جواہر لال نہرو لکھتے ہیں: "اس کے بعد کئی مہینوں تک انگریزوں نے اس بغاوت کی آگ کو دبانے کی مہم جاری رکھی انھوں نے اپنی وحشیانہ و سفاکانہ طرز عمل کی بدولت، ہر طرف ایک دہشت کی فضا قائم کر رکھی تھی؛ وہ سینکڑوں آدمیوں کو بڑے آرام سے گولیوں سے چھلنی کر ڈالتے۔ بہت سے لوگوں کو انھوں نے توپ کے دہانے پر باندھ کر ان کے جسم کے پرخچے اڑا ڈالے اور ہزاروں۔ لوگوں کو سڑک کے کنارے درختوں پر پھانسی دے دی ہزاروں آدمی قتل ہوئے اور بہت سے آباد گاؤں ویرانوں میں تبدیل ہوگئے"۔[۲۵]

۱۸۵۷ء کے قومی غدر میں ہندو مسلمان، برابر کے شریک رہے مگر اس کے باوجود اس بغاوت کا تمام بوجھ مسلمانوں ہی کے کاندھوں پر آیا۔

تاریخی شواہد اور خود انگریزوں کے بیانات، اس بات کو پائے ثبوت تک پہنچاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انتقام کی تیز دھار کٹار کا رخ مسلمانوں کی طرف مڑ گیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی تحقیر کر کے انھیں پسماندگی کی طرف ڈھکیلا جانے لگا اور اس کے مقابل، ہندوؤں کی تقویت کی جانے لگی۔ غدر کے بعد تقریباً پچاس سال تک انگریزوں کا مسلمانوں کے ساتھ یہی رویہ کار فرما رہا آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم "جواہر لال نہرو" لکھتے ہیں:

"۱۸۵۷ء کے بعد، برطانیہ نے ہندوؤں کے مقابل، مسلمانوں پر زیادہ دباؤ

ڈالنا شروع کردیا کیونکہ انگریزوں کے نزدیک، مسلمان ہندوؤں سے زیادہ، جنگجو اور ہمتی تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اب تک ہندوستان پر مغل شہنشاہیت کے دوران، مسلم تسلط کا اثر باقی ہے لہذا وہ دوسروں کے مقابل زیادہ خطرناک ہیں"۔

"ولیم ہارڈ رسل" ۱۸۵۷ء کے بارے میں لکھتا ہے: "ہندوستان میں مسلمان وہ واحد گروہ تھے جو دوسروں کے مقابلے میں ہمارے لئے زیادہ دردسر کا باعث بنے اس کا سب سے بڑا محرک ان کی ہم سے دشمنی تھی ہماری محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروؤں کے ساتھ دشمنی وشنو اور شیوا کے پجاریوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ، ہماری حکومت کے لئے دوسروں کے مقابل کئی گنا زیادہ خطرناک ہیں"[ط ۲۷]!۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کو دبانے کے بعد، برطانیہ نے بڑی سرعت سے ہند میں اپنی حکومت کے قدم مضبوط کیا ہے اس کے بعد، ہندوستان قانونی طور سے برطانوی حکومت میں ضم ہوگیا اور اس ملک کے تمام امور برطانوی حکومت کے ایک نمایندے کے ہاتھوں میں آگئے مگر اس خونچکاں شورش کی یاد ہندوستانیوں کے ذہن سے کبھی مٹ نہ سکی اور صبح آزادی تک تمام ہندوستانیوں سے وطن کی آزادی کی راہ میں قربانی کی طلبگار رہی۔

۱۸۵۷ء کے جذباتی اور جوشیلے قیام کے دوران، پشاور خاموش نہ تھا بلکہ جنگ آزادی میں یہ شہر، شریک رہا۔ ادیب بھی چند جوشیلے نوجوانوں کے گروہ

میں شانہ بشانہ اپنے قبیلے کے دوسرے جوانوں کے ساتھ، جہاد میں شریک ہوئے۔ جب اس جنگ آزادی کو ہندوستان کے تمام گوشہ و کنار میں بہت شدت کے ساتھ سرکوب کیا جا رہا تھا تو اس وقت، خود ادیب کے اہل خاندان کو بھی بھاری نقصانات اٹھانا پڑے جیسا کہ لکھا گیا ہے:

پیشاور کے لوگوں کی انگریزی عمال سے ہونے والی جنگ میں ادیب کے اکثر اہل خاندان قتل ہو چکے تھے[۲۷] خود ادیب کی جان بھی سخت خطرے میں تھی لہذا غمگین ماں کے اصرار پر آخر کار، ادیب ایک چاندنی رات میں ہی مقتل سے نکل کر کابل کی طرف چل پڑے۔

گو کہ ادیب اس خونریز معرکے سے بچ نکلے تھے مگر اس جانگسل سانحہ کا داغ، زندگی بھر اپنے دل پر لئے رہے۔

پارسا تویسرکانی لکھتا ہے: "ادیب ہندوستانیوں کی انگریزوں کے ہاتھوں قید اور اپنے وطن میں ہونے والی غارتگری سے آخر عمر تک غمزدہ رہے اور ہمیشہ اس کے متعلق باتیں کیا کرتے؛ آدھی داستان کہہ لینے کے بعد، بھی کہتے: چاندنی رات میں میری ماں نے جس کے رشتہ دار قتل ہو چکے تھے، مجھے بھاگنے پر مجبور کر دیا حالانکہ میں متردد تھا مگر اچانک انھوں نے اپنے سفید بالوں کو ہاتھ میں لیا اور کہنے لگیں: "تجھے میرے اس حق کی قسم جو تجھ پر واجب ہے، بھاگ جا اور اپنی جان بچا لے"، ادیب نے دسیوں دفعہ اس داستان کو بار بار دہرایا اور جب ماں سے الوداع ہونے تک داستان پہونچتی تھی تو ان

کا گلا بھر جاتا اور خاموش ہو جاتے "۔

گویا کاتب تقدیر نے قسمت میں یہی تحریر کر دیا تھا کہ گلستان سیادت کا یہ نونہال، اس خونی معرکہ سے زندہ و سلامت بچ نکلے اور پھر تقریباً ساٹھ سال بعد، (پہلی جنگ عظیم کے موقع پر)، قافلے کی بچی کھچی اس آگ، کی طرح جسے بادصرصر نے شعلہ ور کر ڈالا ہو جلنے لگے خود بھی جلے اور دوسروں کو بھی جلائے بہادروں کی شان میں قصیدے کہے اور لوگوں کی خود خواہی پر، اظہار تاسف کرے،

قسمت یہی تھی کہ وہ بچے رہیں تاکہ بڑھاپے کی برفانی وادیوں میں پہنچ کر عالم اسلام اور خصوصاً انگریزوں کے زخم خوردہ ہندوستانیوں اور ایرانیوں کو دلسوز اشعار سے استعماری قوتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے اکسائیں۔

ہندوستان کے کام، اسکی قسمت اور اس کے برے انجام
پر اب میں صرف، آہ سرد ہی کھینچ سکتا ہوں،

اساتید کی خدمت میں :

ادیب نے پیشاور کی قتل گاہ کو خیر باد کہا اور راہی کابل ہو گئے جہاں تقریباً دو سال آخوند ملا محمد معروف بہ "آل ناصر" کی خدمت میں تحصیل علم میں مشغول رہے اس کے بعد، غزنی چلے گئے "باغ فیروزہ"، حکیم سنائی کے مرقد میں قیام پذیر ہوئے اور اس دن سے لیکر تقریباً ڈھائی سال تک "ملا سعد الدین" غزنوی کے خرمن علم کے خوشہ چینوں میں شامل رہے۔[29]

ملا سعد الدین تمام فنون ادب و حکمت میں بڑے نامور استاد تھے۔ اس کے بعد آپ ہرات آئے اور تقریباً ۴ مہینہ قیام کے بعد، تربت جام پہونچے یہاں بھی تقریباً ایک سال قیام پذیر رہے مگر اس تمام مدت میں عزیز و اقارب سے دوری اور عالم غربت میں سخت پریشانیوں کے باوجود وہ کبھی پڑھی ہوئی باتوں کی ذخیرہ اندوزی سے غافل نہ رہے اور اس مدت میں تہذیب نفس کو بھی نہ بھولے تھے۔

اگرچہ دنیا رات کی طرح، تاریک ہو چکی تھی لیکن،
میری آنکھیں رات کی تاریکیوں کی وجہ سے خیرہ نہیں ہوئیں اور
نہ ہی میں نے اپنے آپ کو سمجھنا ترک کیا۔

اگر میرے پاس علم و ہنر کے بال و پر نہ ہوتے تو دنیا
کی شکاری باز کب کا مجھے شکار کر لیتے۔

میں نے عزت و بزرگی، علم و فکر سے چاہی تھی لہذا

میں نے اپنی روح و جان کو علم سے آراستہ کیا۔

جب علم و ادب، حکمت و فضیلت، میرے جال میں شکار

ہو گئے تو وہ میرے پروں کی بیڑیاں بھی بن گئے۔

لہذا حرص و طمع کی راہ میں چلتے ہوئے بھی میرے جوتے

تک سیاہ نہیں ہوئے اور نہ ہی میں نے صاحبان علم و ادب

کے علاوہ، کسی کے سامنے گردن جھکائی۔

میں نے اپنے ہی شکنجوں میں بہت زیادہ، رنج اٹھا کر اپنے

خزانہ عزت نفس کو اژدہوں سے محفوظ رکھا۔[۳۱]

تربت جام میں قیام کی مدت ایک سال سے کچھ زیادہ ہو چکی تھی؛

ادیب کی سیمابی طبیعت نے مزید، قیام گوارا نہ کیا اور ان کے تابندہ بخت نے

انہیں مشہد امام رضا علیہ السلام میں پہنچا دیا وہاں پر امام رضا (ع) کے

مرقد مطہر کی حاضری اور ہمت افزائی عطا کرنے کی دعاؤں کے بعد، ادیب،

"میرزا عبد الرحمن مدرس" مؤلف تاریخ خراسان اور مشہور استاد کے

پاس، حکمت و ریاضی کی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔[۳۲]

اسی طرح "شیخ الاسلام آخوند ملا غلامحسین" سے علوم عقلیہ کی تعلیم

حاصل کرنا شروع کر دیا جہاں حد درجہ سے ذہانت، بہترین قوت حافظہ کی

بدولت بڑے جلدی سب سے آگے نکل گئے۔[۳۳]

اسی طرح، ادیب نے علوم ادبیہ میں بڑی محنت کی اور پھر فطری ذوق کی جولانیوں، طبیعت کی تیزی، قوت حافظہ اور طبیعی میلان نے انہیں اس فن میں بھی اپنے تمام ہم عصروں پر فوقیت عطا کردی۔[۳۳]

۱۲۸۷ھ میں مشہد سے سبزوار چلے گئے جو اس زمانے میں مدرسۂ حکمت اور طلاب علوم عقلیہ اور اہل بینش کا گڑھ کہا جاتا تھا۔[۳۴] وہاں بھی آپ نے تقریباً دو سال، مشہور فلسفی "حاجی ملا ہادی سبزواری" کے درس میں شرکت کی اور انھیں کی فرمائش پر ان کے بیٹے "آخوند ملا محمد" کے درس، میں بھی شریک ہوئے اس کے علاوہ، آپ نے اس فن میں آخوند "ملا اسماعیل" سے بھی کسب فیض کیا۔

حاجی سبزواری کی رحلت کے بعد، ادیب نے ۱۲۹۰ ہجری قمری سبزوار کو خیرباد کہا اور مشہد واپس آگئے، جہاں ایک پررونق مرکز علم تھا۔ روضہ کے صحن کی بغل میں واقع "مدرسۂ میرزا جعفر" میں قیام کیا اور "ادیب ہندی" کے نام سے جو دوسرے مشاہیر ادب سے انھیں ایک خاص طرح کا امتیازی مقام عطا کرتا تھا، تدریس کا آغاز کردیا۔ معنویات کے شیدائی ان کے گرد، جمع[۳۵] ہونے لگے اور بڑی ہی مختصر مدت میں یہ بڑے بڑے فضلا و ادبا کے درمیان مشہور ہو گئے۔[۳۶]

ادیب تہران میں :

ادیب ۱۳۰۰ھ ہجری قمری میں تہران آئے اور آخر عمر تک اسی شہر میں رہے ان کے تہران آتے ہی ان کی فیض وصلاحیت کا آوازہ ، دور دور تک اہل علم ودانش کے در شوق پر دستک دینے لگا اور بڑے جلدی ان کا پرفیض شمع وجود ، علم کے پروانوں میں گھر گیا ۔

ادیب کے علمی مقام کا یہ عالم تھا کہ در ذکاء الملک فروغی اول " (محمد حسین خان) جو اس وقت کے ایک مشہور اور جانے پہچانے ادیب ومصنف اور حکومت کے طباعتی ادارے کے صدر اور شاہی دارالترجمہ کے ناظم تھے ۱۳۰۲ھ ہجری قمری میں تاریخ بیہقی کے دیباچہ میں ادیب کو جناب سید الحکماء وسند العلماء ، مرجع الاشیاخ والافاضل ، مدقق زمان ، محقق دوران ، قبلہ اہل معرفت اور کعبۂ زائرین دل ، جیسے القاب سے یاد کیا ہے ۔ ص۳۷

پارسا تویسرکانی لکھتا ہے : " اس وقت تہران میں تیرھویں ہجری قمری کے شاعر وخوشنویس آقای امیر شرفی بدر کے بیٹے سید محمد بقا شرف المعالی کے گھر میں ہر ہفتہ ادبا وشعرا کی ایک نشست ہوا کرتی تھی ، ادیب بھی اس میں شریک ہوتے تھے ۔ اس نشست میں ادیب کی شرکت کی وجہ سے دوسری ممتاز شخصیتوں نے بھی یہاں آنا شروع کر دیا اور ادیب کے وجود پرفیض سے بہرہ مند ہونے لگے ۔

سید محمد بقاء کی وفات کے بعد یہ نشست، ہر ہفتہ انھیں شخصیتوں میں سے کسی ایک کے گھر میں ہونے لگی۔ اس زمانے کے علمی و ادبی ذوق رکھنے والے سیاسی افراد بھی استاد کے اطراف، جمع ہو کر علمی و ادبی بحثیں کیا کرتے تھے لہذا جیسا کہا جاتا ہے کہ یہ نشست، "نشست ادیب" کے نام سے مشہور ہو گئی[۳۸]

میرزا محمد رضا کلہر (اس وقت کے خطاطوں کے استاد)[۳۹] رفیع الملک[۴۰] بامداد (محمد علی اور مہدی بامداد کے والد)[۴۱]، علامہ قزوینی، وثوق الدولہ، عباس اقبال آشتیانی[۴۲]، میرزا علی عبدالرسولی[۴۳] (دیوان ادیب کے محشی و طابع)، سدید السلطنہ کبابی[۴۴]، شیخ الملک اورنگ[۴۵]، بدیع الزمان فروزانفر[۴۶]، مجتبی مینوی[۴۷]، رشید یاسمی[۴۸]، ابوالحسن فروغی[۴۹] وغیرہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے مختلف اوقات میں ادیب کے فیض سے بہرہ اٹھایا اور ان کی شاگردی کا افتخار حاصل کیا۔

مثال کے طور پر علامہ قزوینی جو تحقیق و دقت علمی میں بین الاقوامی، شہرت کے حامل ہیں، اپنے حالات زندگی کے متعلق فرماتے ہیں:

"در میں جوانی کے ابتدائی مراحل میں محضر انور کثیر البرکات، فضیلت سمات اس عظیم عالم عدیم النظیر کے فیض سے بہت بہرہ مند ہوا۔"[۵۰]

اس سے زیادہ دلچسپ تو ان کی وہ بات ہے جو انھوں نے "در بیت مقالہ" کے مقدمہ میں کہی: "در وہ اساتید جن کے وجود سے میں نے بہت زیادہ فایدہ اٹھایا، بقیۃ الفضلاء، خاتمۃ الادباء، آقای سید احمد ادیب پیشاوری مدالله فی

عمرہ ہیں، کئی سال تک میں چہل قدمی کے وقت (آپ کی عادت تھی کہ روز تجریش میں واقع امام زادہ صالح کی قبر پر تشریف لائے اور دو تین گھنٹے وہیں خاموشی سے بیٹھے رہتے) ان کی برہمی مزاج کے خوف کے باوجود مختلف بہانے کے ذریعہ ان کے پاس پہنچ جایا کرتا تھا اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے ڈرتے لرزتے کبھی کبھی کوئی سوال بھی کر بیٹھا تھا جس کا جواب، نہایت قابل اطمینان اور قانع کنندہ ہوا کرتا جسے میں فوراً خزانہ دماغ اور بغل میں دبے دفتر میں ثبت کر لیا تھا۔ ص۶

گذشتہ تفاصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا قطعی غلط نہ ہوگا کہ اواخر قرن میں ایرانی ثقافت کی بقاء و ترقی میں ادیب کا کافی ہاتھ رہا ہے اور یہ کہ اس زمانے کے بہت سے مشہور ادیبوں کے افکار اور ادبی صلاحیتوں کی ارتقاء کے لئے ادیب کی ذات، حقیقی عوامل میں سے ایک تھی۔

تہران میں اقامت کے دوران، ادیب کے علمی و ادبی کارناموں میں تصحیح و تحشیہ "تاریخ بیہقی"، ترجمہ "اشارات شیخ الرئیس ابو علی سینا"، "قضایائے بدیہیات اولیہ" کے متعلق، ایک کتابچہ اور "نقد حاضر بر دیوان ناصر"، خسرو کے املاء کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ اواخر عمر میں ادیب، اپنے اوقات کا بیشتر حصہ خاقانی ناصر خسرو، سنائی کے دیوانوں اور خصوصاً مثنوی مولوی کے مطالعہ میں صرف کیا کرتے تھے۔ ص۵۱

غروب خورشید

۱۳۰۶ ہجری قمری ماہ صفر کی تین تاریخ ، دو شنبہ کی صبح ، کو افق تہران ایک ایسے خورشید کے غروب کا نظارہ کر رہا تھا جس کے بارے میں بالکل سچ کہا گیا تھا : " زمانہ ہوا کہ مادر گیتی نے گہوارہ تہران میں اس جیسا کوئی فرزند ڈالا ہو " پارسا تویسرکانی لکھتا ہے : " انکی میت کو بڑے عزت و احترام کے ساتھ حرم امامزادہ عبد اللہ میں سپرد خاک کیا گیا اتنے احترام کے ساتھ کہ چار وزراء "تیمور تاش" "اعتماد الدولہ"، "قراگزلو" اور "مؤتمن الملک" نے جنازے کے چاروں پایوں کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ غالباً "عبد الرحمن جامی" کے بعد، جن کے تابوت کو "علی شیر نوائی" اور اس کے دوسرے تین وزراء نے اٹھا رکھا تھا ، ایران میں ایسے احترام کی مثال نہیں ملتی "۔ ۵۲

ہاں بہ قول خود ادیب :

موت مانند آفتاب ہے اور ہم شبنم کی طرح ہیں جیسے ہی آفتاب طلوع ہوتا ہے شبنم کا دم آخر آجاتا ہے۔

اجل میں اور ہم میں صرف ایک سانس کا فاصلہ ہے کسی کی بھی رگ جان کو اس کے ڈنگ سے امان نہیں ہے۔

تو اسطرح کی سانس اور زندگی سے اگرچہ طویل ہی کیوں نہ ہو کیا خوشی حاصل کی جاسکتی ہے ۔ ۵۳

وہ شخص مقصد تک پہنچ گیا جو راستے کے پیچ وخم سے آگاہ
ہو کر چلا تھا اور اپنے سر پر کامیابی کا تاج لگائے تھا ۔
ہر قدم کے ساتھ اس نے ایک دنیا کا فاصلہ طی کیا
اور ہوشیاری کے ساتھ دوسرے کاروان سے جا ملا ۔
کچے انگور کے گچھے ، تلخ شراب میں بدل گئے گوہر پانی میں
تبدیل ہو گیا اور شکر کڑواہٹ میں بدل گئی ۔ ص۵۴
نیکوں کے علاوہ تم نے جو کچھ اس دنیا میں انجام دیا ہے
وہ سب بھلا دیا جائے گا ۔ ص۵۵

مدرسہ سپہ سالار میں اس عظیم مرد کی یاد میں مجلس ترحیم کا انعقاد کیا گیا
اسی طرح اور دوسری ترحیمی مجلسیں وزارت علوم اور ادبی حلقوں میں منعقد کی
گئیں خصوصاً آخر کی دو مجلسوں میں تمام اعیان و دانشمند موجود تھے تقریباً سبھی نے
نثر و نظم میں ادیب کی یاد تازہ کی اور ان کے سوگ میں کہے گئے تازہ مراثی سنائے گئے ص۵۶
انجمن ادب کے جلسے کا آغاز "شیخ الرئیس" صدر انجمن کے اس جملہ سے ہوا
: "بڑا زمانہ ہوا کہ مادر گیتی نے ایران کے گہوارے میں ایسا بچہ نہیں ڈالا تھا"
وثوق الدولہ نے بھی ایک بہترین مرثیہ پڑھا جو ادیب کی تاریخ وفات پر مشتمل
تھا :
ہاں ہاں ! گریبان پھاڑ ڈالو اس لئے کہ اس ستمگر فلک نے جو ہمارے
دامن میں ایک گوہر یکتا دیکھا اسے بھی چھین لیا ! ص۵۷

اس کا قلم مشکبار تھا اور سانسیں عطر بیز تھیں اس کے قلم میں ایک عظیم جادو بھرا تھا اور اسکی سانسوں میں عطر کی خوشبو تھی۔

سفسطے اور مغالطے کے مقابل، اس کا قلم "آیہ تبت یدا" کا مفہوم اور فلسفہ کے لئے اس کی فکر "امن یجیب" کی ایت کا مفہوم تھی۔

جس کے افکار کے پرتو، "جہل بسیط" کو دور کر دیتے ہیں اور جس کی قوت برہان واستدلال، شک کرنے والوں کے شکوک کو ختم کر دیتے ہیں۔

اس کے الفاظ کے ایک اشارے سے سقیم طبیعت کو شفا اور ان کے افکار کی رہنمائی سے غمزدہ کے دل کو نجات حاصل ہو جاتی تھی۔

خاکی جسم تو زمین میں رہا اور اس کا جوہر کلام، افلاک کے نصب میں آگیا اس نے جام اجل، پی لیا اپنے خوبصورت چہرے پر، نقاب ڈال لی اور صاحبان ادب کے ضبط کے پردوں کو چاک کر دیا۔

گیدڑوں کا دور آگیا کیونکہ شیر ببر چھپ گیا، قرعہ کوؤں کے نام نکل آیا کیونکہ عندلیب کی سانسیں رک گئیں۔

اب کون چھلکے اور مغز کا فرق بتائے گا! اب کون اس کے علاوہ، غبی و ذہین کے درمیان، فرق بتائے گا؟

آہ! طوس کا عالم کہاں ہے؟ بلخ کا استاد کہاں ہے؟ جس سے صحیح اور غلط رائے اور روایت کو سمجھا جائے؟

فاریاب کا محقق کہاں ہے؟ جو کتابوں اور تمام ابواب وفصول کو قال

الادیب سے زینت بخشتا تھا؟

وہ تو اپنے دوستوں سے جا ملا؛ افسوس بچ جانے والوں پر جنھیں ابھی حبیب سے دور، رہ کر زندہ رہنا ہے۔

اب ہماری بیماریوں کا علاج، صرف موت ہے اسلئے کہ حکیم اور نیم حکیم کی شناخت ناممکن ہو گئی۔

جب وثوق الدولہ اپنے اوپر، ادیب کے حقوق کو محسوس کر کے ان کا مصرعہ تاریخ کہنے کے لئے بیٹھا تو ایک آہ کھینچی اور کہا:

"حیف و دریغ از ادیب"، ۱۳۰۵ھ

ان کی یاد میں وزارت معارف و اوقاف کی طرف سے منعقد کی جانے والی مجلس کے آغاز میں اس وزارت کے وزیر "اعتماد الدولہ قراگزلو" نے اعلان کیا:

"ہم فضیلت کا سوگ منا رہے ہیں اور یہ مجلس، علم و ثقافت کی تعزیت کے لئے منعقد کی گئی ہے؛ عالم علم و ادب نے ایک ایسے شخصیت کو کھو دیا جس کی نظیر پیدا ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

اس کے بعد، "ادیب السلطنۃ سمیعی" وزیر مملکت نے اشعار پڑھے اور ان کے بعد، "شیخ الملک اورنگ مقدادی" نے ادیب کے چند اشعار کو وضاحت و تمہید کے ساتھ پڑھا، ان اشعار کی ابتدا یوں ہوئی:

میرا وجود اگرچہ اس باغ میں ایک کانٹے کے مانند تھا مگر خدا کا

شکر ہے کہ کسی کہ پیر میں نہیں چھپا اور میں اس چمن میں
پھول کی طرح کھلا ہوں کیونکہ میرے دل، ہزاروں دفعہ
خون جگر پیا مگر گریبان چاک نہیں کیا۔ ۵۹ھ

دوسرا باب

ادیب کی علمی وادبی بلندی

ادیب پیشاوری زبردست قوت حافظہ اور نہایت توانا ذہن کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ، متنوعہ معلومات میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ وہ لوگ جو ان کے قریب رہے اور پھر اپنے زمانے میں علم وادب کی دنیا میں تابندہ ودرخشاں ہوئے، اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ ہم ان میں سے صرف دو لوگوں کی باتوں کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

ذکاء الملک فروغی (اول) عہد ناصری کے ادارۂ طباعت کے صدر نے ۱۳۰۷ ہجری قمری میں تاریخ بیہقی (تصحیح وتحشیہ ادیب پیشاوری) کے

دیباچے میں ادیب کو مندرجہ ذیل خطابوں سے یاد کیا ہے:

جناب سید الحکماء وسند العلماء، استاد الادباء مہبط انوار الفضائل، مرجع الاشیاخ والافاضل، مدقق زمان، محقق دوران، قبلہ اہل معرفت، جان جہان آگہی، کعبۂ زائرین دل، مقصد اعظم رہی، جامع حسب بارع لبیب، مولانا آقا سید احمد، معروف بہ ادیب، متعنا اللہ برشحات اقلامہ وفیضان غمامہ۔

ادیب ومصنف، مترجم وشاعر معاصر "رشید یاسمی" کا بھی اعتقاد ہے کہ اس دور کے افضل الشعراء سید احمد ادیب پشاوری ہیں۔ ان کی ہمہ دانی فضل وکمال اور مختلف علوم پر تسلط، فارسی اور عربی ادب کا تمام جزئیات سے آگاہی کی وجہ سے ان کے معاصر، تمام شعرا میں سے کسی کو ان سے برتر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

وہ آگے لکھتے ہیں: جس جلسے میں ادیب موجود ہوتے اس میں زیر بحث آنے والے کسی بھی علم مثلاً ادب یا مختلف قدیم علوم کے بارے میں کسی کو اظہار خیال کی جرات نہ ہوتی، ان کی بات ریاضی، علوم الٰہی، تاریخ یا شعر میں برہان قاطع کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ ہر موقع پر ان کا زبردست حافظہ اسطرح اپنے اسی سالہ ذخیرے کو پیش کر دیتا۔ ادیب ایک کھلی کتاب ہو ذرا سی توجہ کے بعد، متن اسناد اور عین اشعار، ان کے ذہن میں آجاتے اور وہ انھیں پڑھنا شروع کر دیتے اور اسطرح اس دعوے کو فیصلہ سے ہمکنار کر دیتے۔ ۱۵

ادیب کا شعری ہنر اور انکی مخصوص روش

علامہ قزوینی مجلہ "یادگار" میں ادیب کے تبحر علمی اور کمال، تسلط کی طرف اشارے کرتے ہوئے، فنون ادب عربیت، حفظ اشعار، نحو، لغت، حکمت اور ریاضیات میں انھیں عدیم المثال بتاتے ہوکے لکھتے ہیں:

ان کے اشعار، نہایت استادانہ اور فاضلانہ ہیں گو کہ ان کے اشعار شاید بہت زیادہ روان اور خاص شاعرانہ طبعیت کی پیداوار نہیں ہیں جو طبعیت کی جولانیوں اور غزل وتشبیب، عرفان، ذوق اور وجد جیسی کیفیتوں کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں، مگر پھر بھی ان کے اشعار، نہایت فصیح وبلیغ اور زہد وگوشہ نشینی کی طرف، مائل ہیں اسطرح ان کے اشعار کو "ابو العلاء معری" کی شعری صنف میں شمار کیا جاسکتا ہے "، حہ۲

رشید یاسمی لکھتا ہے: "جو عربی وفارسی ادب سے بے بہرہ نہ ہو اس کے لئے ادیب کے اشعار کا مطالعہ، ایک خاص طرح کی لذت آفرینی کا باعث ہوگا کیونکہ ادیب کے اشعار میں مختلف تلمیحات، گذشتگان کے قصہ اور ان کی باتیں بکھری پڑی ہیں۔ انھوں نے مختصر لفظوں میں معانی کے بحر ذخار، سمودئے ہیں۔ ان کے اشعار کا مطالعہ کرنے والا اپنے آپ کو ایسے آدمی کے سامنے پاتا ہے جو گذرے ہوے لوگوں کا ذخیرۂ کامل اور ایران کے تمدن وادب بلکہ مغربی ایشیا کی ثقافت کا خلاصہ ہے "۔

لہذا ادیب کو یہ قدرت حاصل تھے کہ وہ بغیر کسی زحمت اور مطالعے کے اپنی یادداشت کے بیش بہا گوہروں کو ان کی مناسب جگہ پر رکھ دیں اور اپنے مقصد کو مخاطب کے ذہن میں پہنچانے کے لئے دلکش ترین لفظوں کا انتخاب کریں،

ادیب مبتذل گوئی سے گریزاں تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ کلام کو کس طرح، مختلف پیچیدہ اسلوب اور غریب الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر، مطالعہ کرنے والے کے سامنے لایا جائے اور ابتذال سے اپنا دامن بچا لیا جائے،

دراصل ادیب کی اسی روش نے ان کے کلام کو ایک خاص، رونق عطا کردی اور ان کی باتوں پر ان کی لازوال شخصیت کی ایسے مہر ثبت کردی جسکی وجہ سے ایسے بہت کم لوگ دکھائی دیتے ہیں جن کے دست تقلید، ان کی اس مخصوص روش تک پہنچ پائے اور یہ اس روش ہی کی دین ہے کہ علم لغت میں شُدبُد رکھنے والے کیلئے ادیب کے اشعار میں ایک ایسی چاشنی جذب نظر آتی ہے جو اس کے لئے ظاہر و قابل ادراک ہوتی ہے۔ [۳]

علی عبدالرسولی شاعر اور اپنے زمانے کے زبردست خطاط، ادیب کی قدرت طبع، دقت فکر، متانت زبان، توانائی بیان، ابداع لطائف اور نئے معانی کی ایجاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

مختلف معنوں کی تشریح، پختہ و خچے تلے الفاظ سے اپنے کلام کی تزیین،

حشو اور رکیک کلمات سے کلام کو پاکیزہ رکھنے میں ادیب بد طولی رکھتے تھے مگر اسی طرح ان کا یہ بھی یقین ہے کہ ادیب، شعر میں ایک خاص اسلوب کے مالک ہیں، بے مایہ و بے اساس مقلد نہیں اور جہاں کہیں انھوں نے ناصر خسرو، سنائی اور خاقانی کی زمین میں اشعار کہے بھی ہیں تو یہ بس زمین ہی تک ان سے مشابہ ہیں.

معنوی اعتبار سے انھوں نے کبھی انکی تقلید نہیں کی بلکہ ایسے تمام اشعار میں ان کا وہی خاص لب و لہجہ کارفرما ہے اور جہاں تک انکے عربی اشعار کا سوال ہے تو اس میدان میں عجم کے بڑے بڑے ماہر شہسوار گذرے ہیں اور ان کے بہترین اشعار اب بھی زندہ ہیں،

مگر ان میں سے بہت کم ایسے اشعار، نظر آتے ہیں جن کو پرکھنے کے بعد، نقادوں میں عجمیت کا احساس نہ کر پائے ہوں، لیکن ادیب کے عربی اشعار ایسے ہیں کہ اگر انھیں کسی عربی ادیب کو دکھایا جائے تو وہ ان میں عجمیت کے وجود کے تامل پر اعتراض کردے گا ان کی فارسی نثر کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے.

تاریخ بیہقی کے تعلیقات و حواشی میں جہاں بھی بیان و قلم کی جولانیوں کی گنجایش تھی وہاں صاف پتہ چلتا ہے کہ ادیب کے قلم نے کس طرح، حلاوت و لطافت کے ساتھ اور تکلف و حشو کے بغیر، معنی و مراد کو فارسی تک پہنچا دیا. ان کی نثر بھی ایک خاص اسلوب اور خاص مذاق کی حامل ہے. کسی حد تک، رودکی، غزنوی و سلجوقی کی نثر نگاری سے مشابہ اور مغلوں کے دور میں رائج، نثر کے

تکلفات اور خامیوں سے پاک۔

ان کے کمالات میں سے ایک خوشخطی بھی تھی، خط شکستہ اور دوسرے طرح کے خطوط کو بالکل درست لکھتے تھے۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت، تاریخ بیہقی طبع تہران ہے جس کے حواشی خود ادیب کے خط میں ہیں خصوصاً اس کتاب کے ابتدائی صفحات جو ذرا دقت سے لکھے گئے ہیں۔ ۴

پارسا تویسرکانی ان کے ہم عصر شاعر، انجمن ادیب کے سابق صدر نے ادیب کو "بقیۃ الماضین" کہا ہے وہ قیصر نامہ کی طرف، اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ ہمارے زمانے کی شاہکار نظموں میں سے ہے اور اسطرح ادیب کے تقریباً بیس ہزار اشعار من جملہ قصائد وغیرہ جو ادب کی بڑی بڑی شخصیتوں کے کلام کی طرح ہیں۔ ۵

ادیب کے اشعار ایک عام آدمی کیلئے یقیناً یک گونہ دشواری و مشکلات لئے ہوئے ہیں لہذا جس نے قدیمی شعر و ادب مثلاً شاہنامہ، چہار مقالہ، دیوان سنائی، ناصر خسرو، خاقانی وغیرہ کے گلشن کلام کی مکمل طور سے سیر نہ کی ہوگی اسے ادیب کے بعض اشعار کو سمجھنے کے لئے حاشیہ سیاق و سباق پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ، مختلف علوم خصوصاً علم لغت میں شد بد رکھنا لازم ہے البتہ ادیب کے اشعار کو حد درجہ دشوار فہم کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ مذکورہ بالا شعراء کی طرح ان کے بہت سے اشعار، نہایت سادہ اور عام فہم ہوا کرتے ہیں۔

ہر بیماری کا علاج، علم و دانش ہے، ہر خزانہ کی کنجی
علم و دانش ہے،

دنیا میں موسم برسات کے برساتی مہینے کی موسلا دھار
بارش سے زیادہ ایک لائق اور عقلمند اور عالم بادشاہ کی
ضرورت ہے،

ادیب کے اشعار کی سختی و دشواری کی مختلف وجوہات ہیں جن میں بعض اسباب مثلاً کلمات کی ترتیب میں رد و بدل، مختلف اصطلاحات میں کمات چھانٹ ایسے ہیں جو ظاہراً محسوس کئے جاتے ہیں لہذا انھیں چھوڑ کر ہم مندرجہ ذیل چند قابل توجہ وجوہات کی طرف، اشارہ کرنے چاہتے ہیں:

۱- ادیب، جامع علوم عقلی و نقلی تھے ان کی پوری زندگی انھیں علوم کے سایہ میں گذری تھی جس کے نتیجہ میں ان علوم کی چمک دمک ان کے اشعار میں بھی واضح طور سے محسوس ہوتی ہے،

ڈاکٹر شفیعی کدکنی ادیب کو اس لحاظ سے خاقانی کا مشابہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: "ادیب نے اپنے طویل عرصۂ حیات میں جو کچھ بھی علم و دانش و تہذیب نفس حاصل کیا تھا وہ اتنا زیادہ اور اتنے بلند مقام کا حامل تھا کہ ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ عصر خاقانی کے بعد، کسی نے بھی اپنے اشعار میں اس طرح، علم و دانش سے استفادہ نہیں کیا۔ اگر مولوی اور چند دوسرے عارفوں کو چھوڑ کر عصر خاقانی سے ادیب کے زمانے تک نظر دوڑائی جائے تو

ایسے بہت سے شعراء دکھائی دینگے جو علم و دانش میں تو بڑے بلند مقام کے حامل تھے مگر ان میں سے کسی نے بھی اپنے اشعار میں بلند پایہ علمی مقام کا نشان نہیں چھوڑا، قرآنی، روائی، منطقی، حکمی، ہیوی (علم ہیئت) اور تاریخی اشارے، ادیب کے اشعار میں بکثرت پائے جاتے ہیں جو خود بخود ان مضامین سے ناآشنا شخص کے لئے انھیں مشکل بنا دیتے ہیں جس کے وجہ سے اسے ادیب کے اشعار کو سمجھنے کیلئے لغات و اہل نظر حضرات سے رجوع کرنا پڑتا ہے"۔

۲ - چونکہ ادیب اپنے اشعار میں فردوسی و خاقانی وغیرہ کے اشعار سے لفظی و معنوی تعاطی و اختلاط پر زور دیتے تھے اور ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ فارسی کے قدیمی اشعار مثلاً شاہنامہ وغیرہ کی زبان میں شعر کہیں اسی لئے ان کے اشعار پڑھتے وقت، ہمیں جگہ جگہ ایسی اصطلاحات و تعبیریں نظر آجائیں گی جو آج کل کچھ وجوہات کی بنا پر متروک سمجھی جاتی ہیں،

شاید ادیب کا یہ خیال تھا: کہ اسلامی ایران کے فرزندوں کے لئے اپنی قدیمی ثقافت اور کہن ادب سے آشنائی ناگزیر ہے لہذا ان سرمایوں سے استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان میں فوت استفادہ، پیدا کی جائے جو یقیناً ان قدیمی نسخوں میں مختلف معنوں میں استعمال ہونے والے کلمات کے استعمال سے صحیح آشنائی کے ذریعہ ہی پیدا ہو سکتی ہے لہذا جیسے ان، معانی و لغات کے سمجھنے پر قدرت، حاصل ہو گئی اسنے ان اشعار کو پوری طرح سے سمجھنے میں چنداں دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

۴- ادیب، عملی طور سے اس بات کے قائل بلکہ اس پر مصر تھے کہ زبان فارسی کے عظیم خزانوں سے استفادہ کرنا چاہیئے. گویا اس سخنور حکیم کی طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اصطلاحوں کے گوناگون، جواہر ثقافتی خزانوں میں بند رہیں اور ان کا کوئی استعمال نہ ہو.

خصوصاً وہ اصطلاحیں جو مترادف ہوا کرتی ہیں اور ایک خاص صورت حال کی طرف، اشارے کے وقت درحقیقت مختلف حقایق وگوناگون جلوہ گاہوں میں اپنے رنگ بکھرتی ہیں اور ان کے استعمال سے شاعر کو اپنے مفہوم کو سمجھانے اور واضح کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے.

۵- ادیب کی پیدایش اور پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں ایرانی ثقافت وادب کے نفوذ کے ساتھ ہی ساتھ وہاں کے لوگ، فصیح فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی بات کرتے تھے اور فارسی کی حیثیت دوسری یا تیسری زبان کی تھی.

یہ چند وجوہات ہیں جو عامۃ الناس کے لئے ادیب کے اشعار کو کسی حد تک دشوار بنا دیتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے اشعار، عام لوگوں میں کم ہی چل رہا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس زمانے کے سیاسی اور ثقافتی پہلوؤں کے کردار کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا (جسمیں عصر پہلوی میں ایران پر، امریکا اور انگلستان کا تسلط اور ایران کے ادب و فرہنگ کا انحطاط بھی شامل ہے.)

تیسرا باب

ادیب کی اخلاقی خوبیاں

دسیوں سال، تذکیہ نفس اور کسب فضائل نے ادیب کو ایک، ایسا انسان بنا دیا تھا جو پاک و پاکیزہ تھا اور دنیوی بکھیڑوں سے اس طرح، الگ تھلگ تھا جس کے لئے یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ وہ آب و گل کی قید سے آزاد تھا،

علامہ "حاج آقا بزرگ تہرانی"، شیعوں کی ترجمہ نگاری کا تعارف کراتے ہوئے ادیب کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں: "تمام برائیوں سے پاک[ط]"، یعنی ادیب، تمام دنیوی غلاظت اور ہر طرح کی مادی خواہشات سے مبرا

تھے۔ آقا بزرگ تہرانی کا یہ جامع کلام، ادیب کے تمام اخلاق کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ، دوسروں نے ادیب کے اخلاق کے متعلق جو کچھ بھی کہا وہ تفصیل واطناب کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

مہدی بامداد لکھتے ہیں: مرحوم ادیب پیشاوری ایک ایسے انسان تھے جنھیں دنیا سے کوئی لگاو نہ تھا، گوشہ نشینی اور لوگوں سے بہت کم میل جول رکھنے والے اس دور کے اکثر فضلا و سر برآوردہ اشخاص، ان کے بے مثل فضل و بے نیازی طبیعت کی وجہ سے ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔" [۲]

عبرت نائینی غزل سرا و خطاط معاصر کا کہنا ہے: "ان کی اعلیٰ ہمتی اور ابنائے روزگار سے بے نیازی و بے اعتنائی نے ان کے احترام کو دوبالا کر دیا تھا۔" [۳]

ایران، خصوصاً تہران کے اکابر و اعیان اور بزرگان کے نزدیک ان کا خاص مقام ہے وہ کبھی کسی کی تعریف یا برائی میں کوئی بات نہیں کہتے بلکہ ان کی باتیں، ہمیشہ ہی فلسفہ و حکمت، اخلاق و معرفت کے بارے میں ہوا کرتی تھیں۔

رشید یاسمی کے بقول: "ایران واسلام اور فارسی زبان سے محبت نیز گذشتگان کے آثار سے ان کے لگاو کا یہ عالم تھا کہ تقریباً ان کا کوئی ایسا قصیدہ دکھائی نہیں دیتا جو وطن پرستی کی چاشنی اور آزادی کی ترغیب سے خالی ہو۔" [۴]

مرحوم عبدالرسولی جو بقول خود ۳۴ سال، شب و روز، ادیب کے ساتھ رہے ہیں ادیب کے زہد و پاکیزگی کی طرف، اشارے کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" وہ لالچ و طمع سے بہت دور تھے، ان کی شخصیت کے مساموں سے بوئے تملق کسی کے مشام تک نہیں پہنچی اور نہ ہی کسی کی سماعت نے ان کی زبان سے حق کے علاوہ اور کچھ سنا تھا۔

وہ بے نیازی نفس، طبیعت پر اختیار اور بلند ہمتی میں بے مثال تھے اسی وجہ سے وہ صاف گوئی اپنی رائے کے برملا اظہار اور صحیح بات کہنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے تھے جو یقیناً بعض "ابن الوقت" افراد کی طبیعت پر گراں گذرتی تھی اور بہت سے لوگوں کے برخلاف وہ کچھ دار و پرفریب باتوں سے ہمیشہ دور رہتے

جب کہ وطن اور اس کی آزادی سے عشق ہی ان کا مذہب اور کردار تھا، ان کے نزدیک، ملک کے ساتھ، غدّاری اور اجنبیوں کی طرف، جھکاؤ سے بڑا کوئی گناہ نہیں تھا۔ لہذا ان کے تقریباً سبھی قصیدے اور مثنویاں اسی موضوع پر نظر آتی ہیں ... دھوکے باز، فریب کار اور تقویٰ و حقیقت سے دور علماء سے انھیں سخت نفرت تھی۔ اہل حق اور دیندار افراد سے وہ محبت، کرتے تھے اور اپنے دوستوں سے محبت و صاف دلی میں، ہمیشہ ہی ثابت قدم و راسخ العقیدہ رہتے تھے۔ ان کا دامن، لہو و لعب اور برائیوں سے پاک تھا ۳۴ سال، رات دن میں ان کے ساتھ رہا ؛ مگر ان کا کوئی بڑا کام مجھے نظر نہ آیا اور نہ ہی ان سے منسوب ایسی باتیں ہی میں نے کبھی سنی "۔ ۵۵

چوتھا باب

آثار و تالیفات:

۱- ایک دیوان چار ہزار دو سو بیت قصیدہ و غزل فارسی تین سو ستر بیت وقصائد و قطعات عربی پر مشتمل، میرزا عبد الرسولی کے گرانقدر حاشیہ و تعلیقات کے ساتھ (طبع تہران ۱۳۱۲ ہجری شمسی)۔

۲- قضایای بدیہیات اولیہ کے بارے میں ایک کتابچہ "مہدی علی خان ہدایت" مجد السلطنہ کے سوال کا تفصیلی جواب (دیوان ادیب میں مطبوع)

۳- نقد حاضر در تصحیح دیوان ناصر، ناصر خسرو کے بعض اشعار کی توضیح اور بعض اغلاط کی تصحیح و بعض نظریات پر تنقیدوں پر مشتمل کتابچہ بھی دیوان

ادیب ہی میں چھپا ہے

۴- بحر متقارب میں مثنوی قیصر نامہ چودہ ہزار سے زیادہ بیتوں پر مشتمل یہ مثنوی خطی ہے۔

قیصر نامہ کے مختلف خطی نسخے پائے جاتے ہیں مگر جہاں تک میری معلومات ہے تو ان میں سب سے زیادہ مکمل نسخہ وہ ہے جو بہارستان کی مجلس شورٰی کے کتابخانہ میں نسخطی ۱۳۷۶۸ کے حوالہ سے مرحوم عبرت نائینی کے خط میں موجود ہے۔ وہ قیصر نامہ کی سیاسی جنگی اور اخلاقی مثنویوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: شاہنامہ کے وزن پر لکھی گئی ہیں اور نہایت پختہ اور فصیح زبان اور بلند مضامین کی حامل ہیں اس نظم میں جگہ جگہ عرفانی مطالب، پند و نصائح، ایرانیوں کی مردانگی اور ایران کی آزادی و استقلال کی راہ میں جان کی بازی لگانے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور ظلم و ستم کے خلاف جنگ جیسے مضامین باندھے گئے ہیں اس نظم میں شاعر، انگریزوں سے اپنی دیرینہ نفرت کے اظہار کے علاوہ، اپنے زمانے کے احساسات کی پیروی بھی کرتا نظر آتا ہے۔ [۱]

۵- ابو علی سینا کی اشارات کا ترجمہ اور مختصر شرح (ناقص)،

۶- تاریخ بیہقی کی تصحیح اور تحشیہ طبع تہران سنہ ۱۳۰۷ ہجری قمری،

۷- چند خطی نسخے حکماء اور عرب شعراء کے مشکل اشعار کی تشریح

میں مدرسہ شہید مطہری کے کتابخانہ میں قلمی نسخوں کے حصہ میں موجود ہیں

پانچواں باب

ادیب اور فردوسی

اس سرزمین کے تمام گذشتہ شعرا، ادیب کے ذہن کے لئے آشنا تو تھے مگر ان سب کا درمیان، ادیب کی کچھ لوگوں پر خاص توجہ تھی۔ گذشتہ شعرا میں خصوصاً فردوسی، ناصرخسرو، خاقانی، نظامی اور مولوی کو ادیب اہمیت دیا کرتے تھے جس کا اظہار، انھوں نے نثر کی صورت میں تاریخ بیہقی میں اور مختلف مقامات پر اپنی نظموں میں بھی کیا ہے حالانکہ شیرازکی دو عظیم شخصیتوں بالخصوص سعدی کا ذکر انھوں نے نہیں کیا مگر ان لوگوں کے درمیان بھی ادیب استاد طوس فردوسی سے راز و نیاز کرتے نظر آتے ہیں۔

ہاں ایران کے گذشتہ شعراء و ادباء کے درمیان، ادیب کو فردوسی سے خاص لگاؤ بلکہ عقیدت تھی اور وہ فردوسی کو اس دیار کے شعراء کا نگہبان و رہبر سمجھتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ علوم فارسی کے کورے موتیوں میں فردوسی کی الماس گون زبان نے سوراخ کیا ہے:

وہ اولیں اشعار جو فارسی میں کہے گئے ان کی تعداد،
ایک ہزار ساتھ تھے جن کو اس مرد سخنور نے جمع کیا جو ایک
ہی قدم میں کہکشاں کے ساتھ جا ملا۔
اسکے اشعار ایسے لعل و گہر تھے جو فردوسی کی طبع
موزوں سے عالم وجود میں آئے۔
اگر شعر کہنے والوں کی فہرست، تیار کی جائے اور
ایک گروہ کو یاد کیا جائے تو اس وقت، فردوسی کے ساتھ
کسی اور کا نام مت لو اس کے خم کے علاوہ، کہیں اور سے
جام مت پیو۔
وہ (فردوسی)، گلہ کا رکھوالہ تھا اور بقیہ شعر اس کے
سامنے، گلہ کی حیثیت رکھتے تھے گویا کہ وہی کل تھا اور دوسرے
راس کے جزء۔
ساقی نے اب تک ایسے شراب نہیں بنائی جیسے اس
میخوار نے پی۔

اگر زبان سے کوئی کلمہ نکلے تو اس کی تعریف کرکے اپنی
زبان کو زینت دو ۔

میں تیری ہی زبان سے زندہ ہو، تیری ہی کمان کا
نکلا ہوا تیر ہوں ۔

اگر وہ اس دنیا سے پریشان رہا تو کوئی بات نہیں
کیونکہ دنیا ایسے لوگوں سے کبھی خوش نہیں رہی ۔

ایرانیوں پر اس کا بڑا احسان ہے کیونکہ جو کچھ اس نے
کر دکھایا دنیا اس کی نظیر نہ لاسکی ۔

لہٰذا تم میں جب تک توانائی باقی ہے فردوسی کا شکریہ
ادا کرتے رہو، اتنا شکریہ کہ جس کا شمار کرنا ممکن نہ ہو ۔ ۱۵

پروفیسر "رضا فضل اللہ" اپنے ایک استاد سے نقل کرتے ہیں: "تقریباً نصف صدی پہلے میں جوانی کے عالم میں ادیب کی خدمت میں حاضر ہوا، میرا مقصد دراصل یہ جاننا تھا کہ وہ فردوسی، سعدی اور حافظ میں سے کسے عظیم تر مانتے ہیں؟ ادیب نے یوں جواب دیا:

"ہزار سال پہلے خراسان کا ایک بہادر سوار (فردوسی) ایک عرصہ دراز تک فارسی کے شہاب سخن کو بڑی سرعت سے دوڑاتا رہا، اطراف و کنار ایران کے ہزاروں شہسواران سخن کا ایک سیلاب، اس کے تعاقب میں تھا مگر ان میں سے کوئی بھی اس کے یقین و اطمینان تک نہ پہنچ سکا صرف شیراز کے

دو چالاک وچیرہ دست شہسوار اپنے رخش زمان کو مہمیز کرتے ہوئے اس کے نزدیک ہو جائے مگر شہسوار طوس اسی طرح، سواروں کے اژدحام میں شہاب سخن کو دوڑائے جا رہا تھا"۔ ص۲

ادیب کی باتوں سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ مختلف میدانوں الگ الگ اسلوبوں کے مالک، شعرا کو ایک دوسرے سے مقابلہ کے لائق، سمجھتے تھے کیونکہ از لحاظ شعریت جوہر فن شعر گوئی اور معانی کی منطقہ کشی کے وہ سب ایک ہی تھے کیونکہ یہ تمام معانی بسیط یعنی ایک ہیں اور ان کے کلام سے جو دوسری بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ وہ ان سب کے درمیان استاد طوس (فردوسی)، کو ترجیح دیتے تھے۔

ادیب کے بہت کم ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں شاہنامہ کا پرتو نہ جھلملاتا ہو اس بات کے ثبوت کے لئے ان کی حماسی اور سیاسی مثنوی قیصر نامہ کا ذکر زیادہ مناسب رہے گا جس میں حکیم پیشاوری اشعار کے وزن کے انتخاب، نوع بیان، کتاب کے نام اور یہاں تک کہ بعض باتوں اور تغزل میں بھی استاد طوس کے راستے پر گامزن نظر آتے ہیں، ہم کیا کہہ سکتے ہیں در اصل قیصر نامہ کا بنیادی محرک، استاد طوس کی خواہش ہی تھی۔

ادیب کا ایک دوست انھیں لاحاصل خیال کے بہانہ سے ان کے وطن پرستی پر مشتمل آتشیں اور جوشیلے اشعار کہنے سے منع کرتا تھا، اس کے جواب میں وہ خواب میں فردوسی سے ملاقات کا قصہ سناتے ہیں:

میں نے اس سے کہا: اے پاک و پاکیزہ دوست! ایک شب سبستان غیب میں مجھ پر غنودگی طاری ہوئی، اسی عالم میں ایک روح قدسی (فردوسی) نے مجھے درس دیتے ہوئے کہا:

"اٹھ اور اپنا ہاتھ بڑھا گذشتگان کی صدا اے کہن کو تازہ کر اپنی دعوت سے پوری کائنات کو آوازۂ حق سے پر کر دے آیات کی بلند خوئی سیکھ لے جہاں بھی ویرانہ نظر آئے روشن کر دے"[۳۵]

ادیب نے اپنے سیاسی حماسی، حتی اخلاقی و اعتقادی اشعار میں بڑی کثرت سے استاد طوس کے مشہور چہروں کی طرف اشارے کئے ہیں بلکہ ان کا دیوان اور قیصر نامہ، شاہنامہ کی پرانی اصطلاحات سے پر ہے۔

صورت حال یوں ہے کہ یہ کہنا درست ہی ہوگا کہ ادیب کے اشعار کی ظرافت اور نکات کو بخوبی سمجھنے کے لئے شاہنامہ کی مختلف داستانیں خصوصاً پہلوانی وغیرہ کے بیانات، کلیدی حیثیت رکھتے ہیں (جیسا کہ معارف قرآن سے آشنائی، حدیث و تاریخ انبیاء و ائمہ علیہم السلام سے آگاہی، ادیب کے اشعار کو سمجھنے کے لئے دوسری شرط ہے)۔

بہ طور نمونہ، ادیب کا مولائے کائنات امیرالمومنین علی علیہ السلام کی شان میں کہا ایک قصیدہ ملاحظہ فرمائیں:

انکی غلامی میرے لئے اس بہتر ہے کہ بہمن اسفندیار اور طوس بن نوذر، میری غلامی میں آجائیں۔

اگر ان کی ذات میں جلوۂ الٰہی مضمر نہ ہوتا تو انھیں سمجھنے میں میرے ہوش و خرد کیوں قاصر ہوتے ؟!

اگر ان کے سامنے سام پہلوان بھی لڑنے آجائے تو اس سے یہ کہنا پڑے گا کہ مجھے خود کے بجای مقنع پہنا دو۔

اور اگر کسی کمر خمیدہ بوڑھے کو ان کی طاقت ملجائے تو کہے گا بیگم ذرا میری خود و خنجر تو لانا۔

بوڑھا بول اٹھے گا اگر مجھے میدان جنگ میں اسطرح کی قوت، ملتی رہے تو میرے سامنے سام کا باب بھی نہیں ٹک سکتا۔

مجھے فریدون جیسی شجاعت سے پادشاہ کل (مولا علی ع) نے سرفراز فرمایا ہے۔

اب اگر میرے سامنے بڑے سے بڑا پہلوان بھی آجائے تو میں اسے زمین پر پٹخ دوں گا۔ ؎۱

ادیب کا شاہنامہ سے استفادہ کا یہ عالم تھا کہ جب وہ بے علمی اور جہالت کو مٹانے کے لئے قلم کے کردار کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو کبھی فریدون کی ضحاک بیوراسب کے ساتھ ہوئی جنگ کے قصہ سے فایدہ اٹھاتے ہیں وہ قلم کو مخاطب کرتے کہتے ہیں :

؎۱ : لقب ضحاک ماردوش

اے قلم! تیری مینا سے مئے پرمایہ کی طرح ہے جو ہر وقت
کسی دایہ کی طرح، دودھ پلایا کرتی ہے تاکہ فریدون وہ دودھ
پی کر ضحاک جہل کو قتل کرے۔ [1]

شاہنامہ قصوں اور داستانوں سے بھرا پڑا ہے اور ادیب نے اپنے اشعار میں ان سے بھرپور، فایدہ اٹھایا۔ مثلاً تہمورس کی دیووں کے ساتھ جنگ جمشید پر ضحاک کا تسلط ضحاک کی مخالفت میں کاوہ اور فریدون کا قیام، کیکاوس اور ایرانی سرداروں کا شاہ، مازندران کے زندان میں قیدی ہونا، رستم کی ہمت و حوصلہ سے ان کی رہائی، افراسیاب کے ہاتھوں سیاوش کا قتل اور پھر کیخسرو کا اس سے انتقام لینا۔

افراسیاب کے کنویں میں "منیژہ" کی قید اور اس کی وجہ سے بیژن۔ کی گرفتاری کرم ہفتواد اور اس کے قتل کے لئے اردشیر کی دلیری، بہرام گور کی جلادی، شجاعت اور شیران ژیان کے چنگل سے اپنے تاج کی بازیابی وغیرہ شاہنامہ کی داستانوں اور قصوں کے ایسے حصے ہیں جن کا ادیب نے اپنے اشعار خصوصاً قیصر نامہ میں بار بار ذکر کیا ہے۔

ادیب کا یہ اعتقاد تھا کہ شاہنامہ کی تمام داستانیں خصوصاً ان کے اس زمانے کے لئے جب رہبران اسلامی، اجنبیوں کے بے مایہ گھڑ سواروں کی ٹاپوں تلے روندے جا رہے تھے۔ دشمن شناسی، جان کی بازی لگا کر دشمن

---

[1]: وہ گائے جس کا دودھ پی کر فریدون بڑا ہوا تھا

کے مقابلے قیام، جیسے اسباق چھپائے ہوئے ہیں ان کی مختلف داستانوں کے بارے میں معلومات لازم ہیں ان داستانوں کے دلوں میں دھڑکتے پیام ومنطقی ترغیبوں کو زمانے کے لحاظ سے سمجھنا چاہئیے۔

ادیب کی نظروں میں خود انبیاء و اولیاء کی اور قرآن میں آنے والی تمام داستانیں بھی اسطرح کے جامع دروس کی حامل ہیں اور ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے موزون ہیں۔

یہ دنیا تو ویسی ہی ہے جیسی اپنے آغاز میں تھی اس میں
آدم اور شیطان میں مصالحت نہیں ہو سکتی
جمشید وضحاک کا افسانہ ابھی تازہ ہے یہ سب نئی داستانیں
ہیں انہیں پرانی نہ سمجھو۔
آج بھی مظلوم آذر کا فرزند ہے جو نمرود کی وجہ سے آگ
میں جل رہا ہے۔
ہر زمانے میں ظالم کو تو نمرود سمجھو، تبدیلی صورت سے دھوکہ
نہ کھاؤ بلکہ اس پیچ وتاب اور نشیب وفراز سے بھری زندگی سے
میری طرح سنبھل کر گذر جاؤ۔ [6]

استاد طوس اور ادیب پشاوری فکر ونظریات میں ایک دوسرے سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں: یہ دونوں، مذہبی عقیدے کے لحاظ سے اہل بیت رسول، علیہم السلام سے محبت کے معاملے میں ایک فولادی ستون کی طرح استوار ہیں

اس راہ میں پیش آنے والے تمام مصائب، ان کے نزدیک ہیچ ہیں اور یہ دونوں حماسہ نگار ہیں؛ خصوصاً میدان جنگ کی یہ ایسی منظر کشی کرتے ہیں جیسے انھوں نے گھوروں کی پیٹ اور توپوں کے فراز پر ایک عمر گذاری ہو! یہ دونوں سخنوری کے مختلف، فراز و نشیب سے بخوبی واقف تھے اور اسی وجہ سے اپنے کلام میں انھیں بروے کار لاتے ہوئے لوگوں کی ہدایت کے لئے ایک پیغام رسانی اور ایصالی کیفیت، پیدا کر لیتے تھے اور یہ دونوں اسی طرح بہت سی چیزوں میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔

ان تمام مطالب کی تشریح کے لئے خود ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے اس وسیع موضوع کے لئے ہماری اس کتاب کا دامن یقیناً کوتاہ ہے لہذا ہم صرف آخر کی دو باتوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنی بحث کو انھیں تک محدود رکھیں گے۔ اس کے علاوہ، دوسری تمام مشابہتوں کا اندازہ لگانا خود قاری کے ذمہ ہے۔

الف - ادیب و فردوسی کے درمیان، قدر ہای مشترک میں سے ایک مورد تو یہ ہے کہ دونوں حماسی اور رزمی طبیعت کے مالک تھے ان کی اس طبیعت کا اظہار و ظہور، مطمح نگاہ انداز توصیف ان کی زندگی کے فراز و نشیب میں اسطرح، رچا بسا ہے کہ شب و روز کی آمد و رفت کے بیان میں بھی تیغ و سنان اور ہنگام جنگ کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

شب و روز کی آمد و رفت، فردوسی کی نظر میں دراصل نور و ظلمت

کی لامتناہی جنگ کا نتیجہ ہے، جب تک صبح کے وقت، درخشاں خورشید عالمتاب
سر نہ اٹھائے اور سینۂ افق پر زرین علم، بلند نہ کرے، تیغ تابش نیام
سے کھینچ کر کہساروں کی چوٹیوں پر حملہ آور نہ ہو جائے اور ریشم سے
لطیف بنفشی سلطان شب کو ایک کمند کے ذریعے سرنگون نہ کرے ظلمتوں کے
لشکر کو خوفزدہ کرنے کے بعد، پسپا نہ کردے تب تک تاریک شب، عرصۂ
گیتی کی نقاب روشن چہرے والے حریف کے لئے نہیں الٹ سکتی۔

استاد طوس کے شب و روز کی آمد و رفت کے اس بیان میں روح
حماسہ، قدرت تخیّل اور تنوع بیان، موجزن ہیں۔ خیر آگے بڑھتے ہیں،
بہت سی جگہوں پر تو نظیرہ گوئی اور براعت استہلال (کلام کی ابتدا سطرح
کرنا کہ اصل موضوع، معلوم ہو جائے) کی رعایت کی ہے مثلاً رستم و سہراب
کی داستان جنگ میں:

اس نے جیسے ہی سورج کی مانند اپنی سنہری سپر اٹھائی
تو زمانہ گویا آسمان تک سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا ظلمتیں سو جاتی
ہیں جب اسکی تابش تیغ سورج، طلوع کر دیتی ہے۔

اس طرح، سیاوش کا افراسیاب کی بیٹی سے رشتہ مانگنے کی داستان
میں فرماتے ہیں:

اس نے اپنی سنہری سپر، اس طرح نکال کر رکھیں
جیسے آسمان پر آفتاب، طلوع ہوتا ہے۔

ایران کے گرد کیخسرو کی گردش کے متعلق فرماتے ہیں :

جیسے ہی خورشید کی طرح اس نے اپنی درخشاں تلوار کھینچی
ویسے ہی شب تاریک کے سر غائب ہو گئے ۔

جنگ ہمایوں میں ایرانی اور تورانی لشکریوں کی صف آرائی اور ایرانی لشکر کی مدد کے لئے رستم کے پہنچنے کے بعد فرماتے ہیں :

جیسے ہی سورج ، پہاڑ کے پیچھے سے طلوع ہوا تو دن نے
شب تار کی زلفوں کو پکڑ لیا اور اس سیاہ چادر سے باہر
کھینچ لیا اور اپنے دانتوں سے چاند کے لبوں کو خوں آلود کر دیا ۔

سکندر اور پادشاہ ہند (پورس) کی داستان میں فرماتے ہیں :

دوسرے دن جب پھر آسماں زرد ہو گیا تو خورشید نے تیغ
نبرد نکال لی ۔

سکندر اور قیدافہ (اندلس کی مدبر و باصلاحیت ملکہ) کی وہ جنگ جو آخر کار ، دونوں کی ملاقات پر ختم ہوئی ۔

سیر کے وقت ، جب آفتاب نے اپنا خنجر نکالا تو خوف
سے تاریکی غائب ہو گئی ۔ ؎

مندرجہ بالا موارد رزمی توصیف کے چند نمونے ہیں جو مختلف طریقوں سے شب و روز کے کنایوں سے شاہنامہ میں استعمال کئے گئے ہیں ۔ اب ذرا اس سے مشابہ ، قیصر نامہ کے بھی چند نمونہ ، ادیب کے دیوان سے ملاحظہ

فرمائیں؛ ادیب اس رات کی توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس میں صبح تک استعماری تسلط کے غم واندوہ میں مشرقی
عوام جل رہے ہوں اور پھر صبح نمودار ہو جائے، خورشید افق
پر نمایاں ہو جاتے۔ [۸]

سفیدی نے اپنی تلوار، نیام سے کھینچ لی اور مرغ نے چھت
کے کونے سے بانگ دینا شروع کر دیا۔

جب شمع کائنات اندر کی طرح جھگ گئی تو شب تار، اپنی
زلفوں کو بکھیرنے لگی۔ [۹] یا:

جیسے ہی آفتاب نے اپنا خنجر رکھا اور بڑی جلدی میں پہاڑ
سے نیچے اتر آیا تو اس نے رات کی تاریکیوں کے گیسوؤں کو کاٹ
ڈالا اور جسم سے سیاہ مٹی کو جھاڑ دیا۔ [۱۰]

استاد طوس تو بڑھاپے اور کمزوری میں آہیں بھرتے ہوئے جب
آنکھوں کی کمزوری، پیروں کے ضعف اور بالوں کی سفیدی کی توصیف کرنا چاہے
تو سب سے پہلے پڑھنے والے کے شاہیں خیال کو بلند کہساروں (آدمی کا سر) پر
لے جاتے ہیں جہاں بلندی پر ڈھیر ساری برف جمی ہوئی ہو اور اس چوٹی کا
نگہبان (انسان کی آنکھیں) دشمنوں کے لاتعداد لشکر کو دیکھنے پر قادر نہیں۔

اور پھر اس کے بعد، استاد طوس اپنے قاری کے ذہن پردے پر ایک
ایسی جنگ کا نقشہ ابھار دیتے ہیں جسمیں کمند اور بدخواہ ساٹھ (ساٹھ سال عمر)

ملکر شاعر کے دو پائے مرکب کے پاؤں کو جکڑ لیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

جب ساٹھ سالہ عمر کی تلوار، سر پر پہنچ جائے تو اے جام می
نہ دو کہ وہ خود ہی مئے عمرے مست ہے۔

سال (عمر) نے مجھے عنان کے بجائے، عصا دیا دولت بکھر گئی اور
میری حالت متغیر ہو گئی۔

کہسار کی چوٹی پر موجود نگہبان (آنکھیں)، اس بیشمار لشکر
کو نہیں دیکھ پاتا،

اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ میں دشمن کے حملے کو نہیں
روک پاتا،

یہاں تک کہ ابروؤں کے سامنے چمکتے تیروں سے بھی اپنی حفاظت
نہیں کر پاتا،

سرپٹ دوڑنے والے گھوروں کے دو پیر بڑی تیزی سے
میرا قصد کر رہے تھے کہ اس کمند (ضعیفی)، نے ان کے پیروں
میں بیڑی ڈالدیں۔

مطرب، ساز و آواز سے سیر ہو گیا۔ بلبل کی شیریں گفتاری
سے بھی اور شیر کی دھاڑ سے بھی۔ [11]

ادیب نے بھی اسی سال کے عمر کے بعد، قیصر نامہ کہا اس میں وہ اپنی
کمزوری اور بڑھاپے پر فریاد کرتے وقت بھی رزم و حماسی عصا کو ہاتھ سے

چھوڑنے نہیں دیتے ۔

آسمان نے میرے ساتھ، کھیل کھیلنا شروع کر دیا،
وہ مجھ میں شکر کی طرح گھل گیا ۔
ہرے بھرے شمشاد کی طرح، میرا جسم، سمن زار ہوگیا
میرا فولادی جسم، موم کی طرح پگھل گیا ۔
میں عصا کی طرح، جنبش کرتا ہوں دشمن سے لڑنے کی مجھ
میں توانائی نہیں رہ گئی ۔
اگر میرا زورِ بازو، باقی رہا تو میری ہتھیلی، یمن سے پرند
لے آتی ۔ ص ۱۲

ان سب سے مزے دار بات تو یہ ہے کہ ادیب، زمانہ جنگ کی پریشانیوں کے سامنے رجز پڑھتے ہیں جو مکمل طور سے ان کی نفسیات اور بلند و محکم طبیعت کی غمازی کرتا ہے یقیناً وہ کتنے رعب و دبدبے کے مالک تھے ۔

وہ خود کہتے ہیں :

دماغ سپیدہ دمن بایدی ۔ کہ خورشید از عطسہ اش زایدی

ملاحظہ فرمائیں :

آسمان سے زہرہ نے مجھے منحوس ساز سنایا اور سیدھے
تیر کے بجائے، خمیدہ کمان مجھے دی ۔
اس نے میرے سیاہ بالوں کو دھل کر کافور کی طرح

بنا دیا اس نے میرے پہلو کو اس طرح پیٹا جس طرح
کپڑا دھوتے وقت، اسے لکڑی سے پیٹا جاتا ہے۔

اس نے مجھے حد سے زیادہ جھکا دیا اتنا کہ میرا سرو
کے مانند قد، چنگ (ایک ساز جو خمیدہ شکل کا ہوتا ہے)
جیسا ہوگیا۔

میں عصا کی طرح، زمین پر، پیر رکھتا ہوں وہ زمانہ گیا
جب میں اس جنگلی بھینسے کی طرح کودتا پھلانگتا تھا جو چیتے
کے خوف سے ادھر ادھر بھاگ رہا ہوں۔ ۱۳

حکیم پیشاوری اس عظیم و جوشیلی طبیعت کے نتیجے میں جب جرمنیوں کی اتحادیوں (بالفعل تمام اسلامی ممالک کے دشمن) کے ساتھ جنگ کے موضوع پر، رزمیہ اشعار کہتے ہیں یا شمشیر قیصر جو اس کے آہنی ارادہ عزم کی مثال ہے کی توصیف کرنے لگتے ہیں تو بالکل بجلی کی طرح، جوش و جذبے میں کڑکنے لگتے ہیں بالکل اس طرح جیسے برق نیزہ، قلب آسمان کو چاک کر دیتی ہے۔

نہیں بلکہ وہ اس کرۂ خاکی سے بھی آگے کی باتیں کرنے لگتے ہیں اور بہرام و برجیس وغیرہ کا ایک تعلق خورشید کی گردن میں ڈال دیتے ہیں گویا ادیب استاد طوس ہوں جو دوبارہ، دنیا میں آگئے ہو اور کیخسرو کے عزم اور رستم کے رزم کی داستانیں پھر سے تازہ ہونے لگی ہوں۔

استاد طوس جب رستم اور اشکبوس کوشانی کی جنگ اور سردار

کوشانی کا رستم کی تیر سے قتل ہو جانا بیان کرتے ہیں تو ایسے جوش و استحکام سے نغمہ زن ہوتے ہیں کہ جب تک دنیا رہے گی تاریخ کی سماعت میں ان کی بازگشت گونجتی رہے گی۔

جب ایک تیر سے رستم نے اشکبوس کے گھوڑے کو زمین بوس کر دیا اور اشکبوس کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا بند کمر سے ایک تیر نکالا چلہ کمان میں تیر جوڑا اور اشکبوس کے سینہ کا نشانہ لیکر، تیر چلا دیا، تیر سردار کوشانی کی ریڑھ کی ہڈیوں کو توڑتا ہوا پار ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی جان نکل گئی۔

اب آئیے ذرا اہم غور کریں کہ استاد طوس نے ایک تیر کی داستان کو دس تیر کی کہانیوں جتنا طویل بنائے بغیر، یا تیر کی حد درجہ تعریف کر کے اسے تلوار بنائے بغیر کس طرح ایک رزمی بیان میں اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کو بروے کار لائے ہیں:

رستم نے اپنی کمر کی طرف، اپنا پنجہ بڑھا دیا اور ایک تیر منتخب کیا، اس نے ایک ایسا تیر نکالا جسکی انی پانی کی طرح تھی پھر اس نے اس تیر پر عقاب کے چار پر لگائے۔

اس نے چاچی (تاشقند کا قدیمی نام) کی کمان کو اپنی ہاتھوں سے ملا اور بارہ سنگھے کی کھال کے اندر اس کو دھلا۔

کمان کی بائیں سمت کو اس نے سیدھا کیا اور دائیں

سمت کو جھکا لیا اس چاچی کمان نے خمیدگی کو چرخ سے طلب کیا تھا۔

جب تیر کا سوفار اس کے کان کی لوؤں تک پہنچا تو بارہ سنگھوں کی کھالوں سے چیخ بلند ہوئی۔

جب تیر کی انی نے اس کی انگلیوں کا بوسہ لیا اور جب آگے بڑھی تو وہ دشمن کی ریڑھ کی ہڈی کے پار پہنچ گئی۔ ص۱۴

ٹھیک اسی طرح، ادیب بھی جب سخت جان جرمن افواج کا (مارشل ہیندن برگ) کی قیادت میں اتحادیوں سے پہلی جنگ عظیم کے اواخر میں مقابلے کا ذکر کرتے ہیں تو اس جنگ کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں:

اس رخش ہمت کے منہ میں لگام لگا کر اس پر سوار ہو گئے تو سام کے بہادر بیٹے کی طرح شجاعت و دلیری میں شہرۂ آفاق ہو جاؤ گے (سام کے بیٹے سے مراد جرمن کے قیصر کی فوج کا سپہ سالار ہے۔

دنیا کو فتح کرنے والی عظیم جرمن افواج، ہمت و مردانگی کے بل بوتے پر دشمن کی فوج سے بازی مار لے گئی۔

اگر کسی مشکل میں پہلے دل و دماغ کو درست رکھکر غور و فکر کیا جائے تو خدا کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔

پہلے ہی سے غور و فکر کر لینا چاہئے کہ دشمن کے حملے

سے کیسے بچا جائے اور اسے کس طرح نابود کیا جائے
اور دشمن کے مضبوط اور تناور درخت کو کس طرح اکھاڑ
پھینکا جائے۔

بھلا کس طرح دشمن کی قطار اندر قطار، فوج کو قتل
کیا جائے آخر اس چالاک بھڑیئے کی کھال کیسے کھینچی جائے
جو دوست اور دشمن میں فرق نہیں رکھتا نہ اس کی
دوستی آشکار ہے نہ دشمنی۔

آج تک کسی نے سوائے اس سے دھوکہ و فریب کے کچھ
پایا ہے سب کو اذیت پہنچانے والے اس قسم کے سانپ کو
ختم کرنے کے لئے اتفاق رای ضروری ہے۔

آراء و نظریات کے اتفاق کے بعد، وار جنگ ہو جانا چاہئے
اور جنگل میں دھاڑنے والے شیر کی طرح دشمن پر حملہ
ور ہو جانا چاہئے، جسم کو خون سے رنگین کر دینا چاہئے
انھوں نے (جرمن کے بادشاہ کی فوج) ایسا ہی کیا کہ متفقہ
طور پر دشمن کی چھاؤنیوں پر حملہ کیا اور ان سرکشوں کے جسموں
پر آگ برسانا شروع کر دیا۔ ص۱۵

ایسے ہی وقت میں ادیب جب یہ سنتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان
اور ہندو، انگریزوں کے مقابلے میں متحد ہو گئے ہیں تو اپنی حد درجہ مسرتوں

کا ایک رزمی نظم کے قالب میں اظہار کرتے ہیں: ص ۱۶

ہندوستان میں مسجد و مندر میں لوگوں کو خوشی سے جھوم اٹھنا چاہئے۔

انھیں دشمن کے قید سے رہائی ملنے والی ہے انھوں نے اپنے دانتوں سے دشمن کے مکر کے جال کو کاٹ دیا ہے۔

انھوں نے اس منحوس الّو کا منھ بند کر دیا ہے جو ویرانی کی علامت ہوتا ہے اور اپنے گھر کی شکر طوطے کو دی ہے۔

شکر طوطے کے کھانے کے لئے ہوتی ہے اس لئے انھیں کہ الّو اسے اپنا منھ بھرے، الّو چوہوں اور چھپکلیوں سے تنگ، آ چکا تھا۔

اس لئے وہ شکر کی تلاش میں مضطرب ہو کر گھومنے لگا پہلے تو وہ طوطے کے منھ سے شکر چھین لے گیا اور پھر اس نے مور کے زرنگار پر بھی لوٹ لئے۔

ہندوستان کے شکر خوہ پرندے اس طرح ہو گئے جیسے خزاں میں باغ ہو جاتے ہیں۔

مسجد سے مسلمانوں کو اور مندر سے ہندوؤں کو اس طرح فریاد کرنا چاہئے جیسے پنجرے میں قید پرندہ پھڑپھڑاتا ہے۔

مسجدوں اور مندروں سے جوش و خروش ایسے پھوٹ

رہا تھا گویا دریا میں طوفان آگیا ہو۔

ہندو مسلمان جوش میں کہہ رہے تھے: کہ کب تک اجنبیوں کے ہاتھ ہم لوگوں کو مسحور کئے گے۔؟

بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ متحد ہو جائیں اور دشمن کے حق میں زہر ہلاہل بن جائیں۔

جب ہمارا انجام قبر کا گڑھا ہے اور ہمارے جسم کا تھکانہ خاک کے اندر ہے تو بہتر یہی ہے کہ ہم نیکنامی کیساتھ جئیں اور اپنے جسم کو دشمن کے ذلت آمیز جادو سے آزاد کرالیں۔

میں نے سنا ہے کہ ہندوستان کی سرحد پر کچھ دوست بیٹھ کر، آپس میں باتیں کر رہے تھے ایسے میں ایک بت پرست نے ایک مسلمان سے کہا: "ہم اور تم اب تک خواب غفلت میں تھے اس لئے ایک اژدہا نے ہم کو جکڑلیا آو اب ملکر اپنے دانتوں اور ناخنوں سے اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر حملہ کردیں۔

دشمن کے منحوس پیکر پر اس طرح زخم لگائیں کہ اس کی بنیادیں اکھڑ جائیں۔

اس کی "سدّ یاجوج نما" دیوار میں شگاف پیدا کردیں اور اسے ریزہ ریزہ کردیں، جیسے دھنی ہوئی روئی بکھر جاتی ہے تم بھی سو رہے تھے اور ہم بھی غفلت کی نیند میں تھے جس کی وجہ

سے ہماری بدبختی نے ہمیں اس حال تک پہنچا دیا۔
فرنگیوں نے ہماری کمزوری سے ناجایز فایدہ اٹھا کر ہم
پر حکومت کی۔

اب ہمیں خواب خرگوشی سے بیدار ہونا چاہئے اور رستم
کی مانند، دشمن کو زیر کرنا چاہئے۔

ب ۔ ادیب اور فردوسی کے درمیان دوسری مشترک خصوصیت
یہ ہے کہ یہ دونوں، کلام کے نشیب و فراز اور ان کے اقدار پر بھرپور توجہ رکھتے
تھے، ان دو عظیم حکیموں کی نظر میں کلام جگالی کرنے والی کوئی شئی نہیں ہے بلکہ
ایک ارسالی وسیلہ ہے کہ جسے انسانوں کے فوائد و بہبودی کے لئے بطور حربہ استعمال
ہونا چاہئے۔

ان دونوں شخصیتوں کی بھرپور تاکید ایسے کلام کے لئے ہے جو متین، مایۂ
ناز، درخت دانش کا پھل اور بینش و صواب دیدے سرشار ہو لوگوں کو جھنجھوڑے
اور انھیں بیداری کی روح، پھونکنے کے ساتھ ساتھ انکے نفوس میں اپنے اسی
معنوی روح اور مطالعے کی گہرائیوں کیساتھ فروکش ہو جائے۔

حکیم طوس نے عنصر کلام میں سے اپنا عظیم شاہکار ایسے کلام کو قرار دیا ہے
جو نہایت پختہ و جامع تھا اور اسی طرح، حکیم پیشاور نے اپنے کارنامے قیصر نامہ کے
معاملے میں انھیں کی تقلید کی ہے۔

ضمناً ہم ان دونوں حکیموں کے کلام "اہمیت شرائط کلام" کے باب میں ذکر

کریں گے تاکہ ان کے ذکر کے دوسرے فوائد کے علاوہ، پڑھنے والے کے سامنے ان دو استادوں کے درمیان، ایک طرح کے مقابلے کی راہ کھل جائے۔

استاد طوس کے دیوان میں کلام کی اہمیت، شرائط اور نسیب و فراز کے بارے میں بہت کچھ آیا ہے بعض جگہوں پر خود شاعر نے اپنی زبان سے ان مفاہیم کو ادا کیا ہے اور بعض مقامات پر ان میں مذکور کرداروں کی زبانی ایسے مفاہیم ادا کئے گئے مگر اس بات کا برملا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ ان کرداروں کی زبانی ادا ہونے والے خیالات سے بھی استاد طوس پوری طرح متفق تھے مثلاً ان دونوں کی بعض مثالیں ملاحظہ ہو۔

دنیا میں جو بھی نیک (شاعر) ہے اس پر ہر چھوٹے بڑے کی طرف سے آفرین ہو۔

اگر یہ بات خدا کی طرف سے نہ آئی تو نبی کس طرح، ہمارے ہو سکتے تھے؟۔

ناوک فگن دل کے لئے تیری زبان، تیر کی مانند ہے تو میری اس بات کو اتنا آسان نہ سمجھ!

تو اپنے اس تیر کے ذریعے اپنی خواہشات کو ہدف بنا جس کے سر میں مغز موجود ہوگا، اس کی باتیں بھی نغز والی (اچھی اور بہتر) ہونگی...

اگر گفتگو بجا ہو اور موقع و محل دیکھکر کی جائے تو بیش

بہا گوہر سے بھی زیادہ بہتر اور قیمتی ہوگی۔

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری روح و جان کو سکون میسر ہو، تو اپنی عقل کو بادشاہ اور زبان کو اس کا سپاہی بنا دو۔۔۔

عالموں کی گفتگو سننے سے جسم کو قوت اور دل کو فکر و نظر حاصل ہوتی ہے۔

سنی ہوئی گفتگو کو فراموش نہ کیا کرو اس لئے کہ شہشاہ سخن کے لئے، دوسروں کی اچھی باتیں تاج سر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اگر زبان زد خاص و عام ہونا چاہتے ہو تو اپنی زبان کو تلوار کیطرح، نیام سے نکال لو۔۔۔

جب کہو تو وہی چیز کہو جو تم نے دوسروں سے سیکھی ہے جس کے سیکھنے میں تم نے خون جگر، صرف کیا ہے۔

اپنی زبان کو گفتگو کرنے کیلئے ہر وقت آمادہ رکھو اپنی عقل کو کمان اور زبان کو تیر بنا لو۔

اس کائنات میں باقی رہ جانے والی چیزیں صرف دو ہیں ان کے علاوہ کسی کی کوئی بات بھی باقی نہیں رہے گی اچھی باتیں اور نیک کردار یہ دونوں جب تک دنیا باقی ہے پرانی نہیں ہونگی۔۔۔

تم بیمار ہو اور تمھارا علاج ، پند و نصیحت ہے لہٰذا میں اس
وقت تک کوشش کرتا رہونگا جب تک تم تندرست نہ ہو جاؤ
پند و نصیحت تمھارے لئے طبیب اور عقل و فکر دوا ہے ۔

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ تمھارے دل سے شہرت اور سلطنت
کی طمع ختم ہو جائے ۔ ص۱۷

ہم نے کلام کے اتار چڑھاو اور اس کے شرائط کے متعلق ، چند باتیں
استاد طوس سے سن لیں اسی طرح ، ادیب نے بھی اپنے اشعار میں جگہ
جگہ ، سخن اور سخن ور کی تعریف کی ہے اور اس کے شرائط اور ضرورتوں
کو بیان کیا ہے ؛

سخن پرداز کو گشادہ زبان ہونا چاہئے اسے کسی سے شرمانا
نہیں چاہئے تاکہ اس بحر عمیق میں اس طرح ، شناوری کرے
جس طرح ، گھڑیال تیرتے ہیں ... ص۱۸

خطیب اور واعظ کی بدولت ، دنیا کو قوام حاصل ہے اگر سخن
آنکھ ہے تو سخنور اس آنکھ کا خالق ہے ۔

تمھیں چاہئے کہ اسی آنکھ کے ذریعے دنیا کے سیاہ و سفید
پر نظر ڈالو ...

مگر گذشتہ تمام باتوں سے زیادہ اہم تو ادیب کے وہ اشعار ہیں جو انھوں
نے قیصر نامہ میں قلم سے خطاب کرتے ہوئے کہے ہیں مثلاً قلم کو خورشید و ابر نیسان کیطرح

شب جہل کے لشکر کو شکست دینا چاہیے اور کشت زار دانش کی آبیاری کرنا
چاہیے خصوصاً یہ بات، قابل ذکر ہے جیسا کہ ہم آئندہ، بیان کریں گے۔

ادیب کے ان اشعار میں استاد طوس کے شاہنامہ کی طرف، بڑے
ظریف اشارے محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ ۱۹ھ

چھٹا باب

ادیب کے گلشن اشعار کی ایک گلگشت

پہلی گلگشت

ادیب کے اخلاقی اور اعتقادی

اشعار پر ایک نظر

دین:

انسان کی فلاح وبہبود کا واحد راستہ

خداوندا! تو ہی روح کا پیدا کرنے والا ہے تو ہی ہر جسم کے
اندر جان کا خالق ہے.

آسمانوں پر جانے والے نے بھی جان تجھ ہی سے پائی
ہے اور جان نے دائمی زندگی تجھ ہی سے حاصل کی ہے.

ستاروں کی چراغانی تیرے خورشید وجود سے ہے یہ دنیا
تیرے ساز ناہید کا ایک نغمہ ہے. ؎۱

ادیب کے اشعار، فکر بلکہ یاد دہانی کے تفکرات کا ایک منثور ہیں تفکر تعلقات

دنیوی کے بندھوں کو توڑ کر روزمرہ کے شور وغوغا سے دور ہو جانا اور مادی معاشیات کے مسائل کی سطحوں سے بلند ہو کر، ظاہر بینی و ظاہر پرستی کے پردوں کو چاک کر کے ہستی کی گہرائی میں جذب ہو جانے کا نام ہے دوسرے لفظوں میں عالم حس و شہود سے آگے نکل کر عالم غیب میں کھو جانا ہے۔

"کاین جہان، غیبی و آن غیب جہانی دارد"

اسی طرح، تذکر بھی اس عہد و میثاق کی تجدید و تاکید کا نام ہے جو انسانوں نے اپنی روح کی گہرائیوں سے اللہ کے حضور "عالم ذر" میں کیا تھا۔ ادیب کے اشعار ہر جگہ، قاری کو ظاہری امور کو چھوڑ کر باطن کی طرف، غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں دل کی آنکھوں کو ہستی کی گہرائیوں میں کھول کر منشور ہستی کا مشاہدہ اپنے قاری کو کراتے ہیں اور یہی تفکر ہے۔

تفکر کا مطلب، مال و دولت، آب و دانہ اور زاغ و بلبل ہرگز نہیں ہے بلکہ تفکر ان مسائل میں کیا جانا چاہیے جو اگر مکمل طرح سے سمجھ میں نہ آئیں تو زندگی پوچ ہو جائیگی اور اس کی حیثیت ایک بازیچہ سے زیادہ نہ رہے گی۔ کچھ وہ مسائل جن میں غور و فکر کرنا چاہیئے یہ ہیں:

- ہم کہاں سے آئے ہیں اور کس طرف، جا رہے ہیں؟

- ہمیں کن دستہای قدرت نے عدم کے پردوں سے نکال کر وجود بخشا اور آخر یہ وجود کے لئے عطا کیا؟

- کیا ہمیں عبث، پیدا کیا گیا ہے اور یوں ہی اپنے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے

یا کہ ہم کسی خاص مقصد کی طرف، رواں دواں ہیں؟

— پھر آخر، اس آمد و رفت کا مقصد کیا ہے؟

ادیب کے تفکرات، عین تذکرہ ہے اور ہم آج کل کے مہجور افراد اپنے کاموں کی اصلاح (خصوصاً زمانے پر روز افزوں تسلط پیدا کرتی ہوئی مغربیت ہیومنزم[1] اور مغرب کے طاغوتی تفکرات کے چنگل سے رہائی) کے لئے ادیب کے اس تذکر یا تفکر، قدسی و معنوی کی بڑی سخت ضرورت ہے

ادیب کا وہ قصیدہ جس کا مطلع ہے:

گر بہ ژرفی در نہاد خویش پورا! بنگری[2]

واثقم کاندر نیاز خویش رہبی ناوری

اس قصیدہ میں ادیب کا لہجہ بالکل کسی شفیق باپ کی طرح ہے شاید اسلئے کہ وہ یوں اپنے قاری کی بیشتر توجہ، معنویات اور سیر و سلوک کی طرف مبذول کرا سکیں.

آیئے ذرا دیکھیں کہ ادیب، کس بزرگانہ انداز میں درست راستے کی طرف، بلاتے اور کیسے حکیمانہ طریقے سے کنوئیں میں گرنے سے ڈراتے ہیں. ادیب کی نگاہوں میں راہ کمال کا اولین توشہ، اللہ تعالی کی معرفت اور اس پر ایمان ہے اور دوسرا انبیاء علیہم السلام کی پیروی.

۱- راہ کمال کا سب سے پہلا توشہ، توحید ہے

ح۱: Humanisme

اس سعادت آفرین راہ کا سب سے اہم اور پہلا توشہ، اللہ تعالی پر ایمان اور اسکی معرفت ہے کیونکہ ایمان اور معرفت کے کئی مراحل و مراتب ہیں اسلئے ان مراحل کو بخوبی طی کرلینا دراصل خود سیر آفاقی و انفسی کا نتیجہ ہے آئے اب ذرا ان دو معنوی سیروں پر ایک نظر ڈالیں۔

الف ۔ سیر آفاقی :

اس مرحلے میں انسان کو چاہئے کہ دنیا کے حالات اور اس عالم کے اطوار پر غور و فکر کرے اس دنیا کے دامن میں موجود ہر شئی (اور ان چیزوں پر جو بطور عاریہ انسانوں کے ساتھ ہیں) اپنے وجود کے مبدأ و ابتدا کے ساتھ سوچی جانی چاہئے جسکے نتیجہ میں ہمیں یہ عرفان ہوگا کہ یہ اس کی ذات کی جمالی پہلو کے گرانبہا جواہر عارضی و اعطائی کمالوں کو چھوڑ کر محتاج مسکین اور فقیر ہیں۔ بالکل انہیں کوزوں کی طرح جن میں موجود پانی کو چھوڑ کر صرف ایک کھلا دہانہ اور نگلنے کے لئے ایک لمبی سی گردن ہی دکھائی پڑتی ہے اور کچھ نہیں۔

(دوسرے الفاظ میں دنیا باطن ہیں اور کنہ یاب نگاہوں میں ایک ایسے بڑے گھر کی طرح ہے جہاں جو بھی جو کچھ رکھتا ہے دوسرے سے لیا ہوتا ہے) مگر اسی حال میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ ذاتاً خالی، تمام کوزے پانی سے لبالب بھرے ہوئے ہیں اور سارے فقرا سیراب ہیں۔

یہاں پر مناسب ہے کہ ہم یہ سوال کریں کہ آخر اس فقر ذاتی کا اس

ظاہری توانگری سے بھلا کیا میل ہے اور یہ دونوں کیسے اکٹھا ہو گئے' اور آخر کن فیاض ہاتھوں نے ان تمام فقیروں کو اپنی نعمتوں کے دسترخوان پر بٹھا کر اس طرح انھیں سیر و سیراب کر کے ان کے وجود میں نشاط انگیز بیان ودیعت کر دی ہیں۔

جب رات کو صاحب نظر افراد، آسمان اور ستاروں کی طرف دیکھتے ہیں یہ ستارے جو روشن شمعوں کی طرح ہیں تو وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

کوئی جاودانی ذات، اس جہان میں موجود ہے یہ دنیا جسم کی طرح ہے اور خدا اس کی جان کی مانند ہے۔

اسی وجہ سے یہ دنیا اتنی شاد و خرم ہے چونکہ جسم، جان کا پرتو ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ گلشن اتنا شاد ہے۔ ص ۳

ہاں! آسمان و زمیں کی وسعتوں کا مطالعہ اور ہستی کی آیات صنعت کا مشاہدہ کہ جسے اصطلاحاً سیر آفاقی کہا جاتا ہے ہمیں اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ ہم اپنی فکر (اس فکر جو اوہام و ظنوں کی ڈوریوں میں الجھی ہوئی نہ ہو) کو حکم پر بھروسہ کریں اور ان توانا دستہائے قدرت قاہر و حکیم پر ایمان لے آئیں کہ جنھوں نے اپنے فعال ارادے سے ان تمام تعجب انگیز صنعتوں کو جبین ہستی پر سجا دیا ہے۔

یہ وہی ذات ہے جو لحظہ بہ لحظہ، موجودات کو دوام یا موت و فنا

عطا کرتی ہے اور جو کچھ بھی ہے سب اسی کے لطف و احسان کا مرہون منت ہے وہی دستہائے قدرت ہے جن کے دریائے قدرت میں جہان طبیعت، اپنی تمام وسعتوں اور عظمتوں کے باوجود، ایک حباب سے زیادہ نہیں ہے اور گنبد گیتی کی بلندیاں، اس کے اس قدسی آستانے کی کنیزیں ہیں۔

چرخ و انجم کی نیاز مندی، زر و جواہرات کی ضرورت سے تم کو، اس بات کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ: اس کائنات سے ماوراء ایک بے نیاز قدرت ہے۔

وہ (خدا) وہی ہے جس کے حکم سے یہ نیلگوں آسمان ہمیشہ، حرکت میں رہتا ہے۔

اس کائنات کے اندر، مختلف علاقوں پر حکومت کرنے والے کبھی ظالم اور کبھی عادل بادشاہ گذرے ہیں۔

مگر سب کو آخر، ایک نہ ایک دن اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے کہ کب وہ حکم کرے اور ہم اس کی تعمیل کریں۔

خدا کی لایزال قدرت کے سامنے اس کائنات کی بساط ہی کیا ہے بھلا اتھاہ سمندر کا مقابلہ ایک حباب کرسکتا ہے

یقیناً سیر آفاق کے فائدے اور اس کی ضرورت اور روح کی جلا کے بارے میں اسکی حسن تاثیر کے بارے میں جتنا بھی کیا جائے کم ہے۔

اگر حسی و عقلی بصارت، دونوں صحیح ہوں تو بلا شبہ، حق و حقیقت کی طرف، رہنمائی کرتی ہیں۔

خداوند متعال نے قرآن مجید میں جگہ جگہ انسانوں کو اپنی مصنوعات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے،

اگر غور و فکر، معتبر نہ ہوتے تو خدا اس کا حکم ہی کیوں دیتا؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ، خدا کی نشانیوں میں غور و فکر، نہیں کرتے، قرآن میں خداوند متعال نے انکی مذمت کی ہے۔ اگر تم نے قرآن پڑھا ہو یا تمھیں قرآن ازبر ہو تو پڑھ کر دیکھ لو،

ذرا دیکھو تو یہی ستاروں کی سیر میں اختلاف ہونا کچھ معنی رکھتا ہے کہ نہیں،

آفاق میں کسی بھی ستارے کی سیر، مختلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر افق میں ستاروں کی حالت، علاحدہ ہوتی ہے۔ ص۵

شب تار کے دل میں آسمان کی شگفتیاں، صبح کا وقت، سپیدۂ سحر، سب ادیب کے خوبصورت، اشعار کے مضامین ہیں آنے والے اشعار میں ادیب نے آسمان تلے بدلتے شب و روز کے ہنگاموں اپنی شب زندہ داری اور رات کی گریہ وزاری کو بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالی کی توحید کی طرف، اشارہ کیا ہے: ط۶

میری شب بیداری پر سہیل اور پروین، دونوں ستارے

گواہ ہیں،

میری یہ دونوں آنکھیں جیحون دریا کی طرح آرام نہیں کرتیں،

میں رات بھر اپنی ان خونبار انکھوں سے آسمان کی طرف، دیکھتا رہتا ہوں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے یہ میرا ہر رات کا معمول ہے،

مجھے رات کی تنہائی میں ستاروں کی بزم، ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے بہت سارے رند اکٹھا ہوں۔

اور بزم مئے نوشی آراستہ ہو اور حد سے زیادہ، عناب اور نقل بکھیر دیئے گئے ہوں۔

ستاروں کی شگفتہ حالی پر میری عقل، متحیر ہے، ستارۂ پروین، گل یاسمین، جیسا اور ستارۂ زہرہ، گل شقایق کی۔ مانند، چمک رہا ہے۔

رات کے سناٹے میں ستارۂ مریخ، سرخ لالہ کی طرح چمک رہا ہے اور چاند، زرد رنگ کے نرگسی پھولوں کا ایک گلدستہ، لگ رہا ہے۔

افلاک کی وسعتوں کو چھوڑئے؛ اب ذرا زمیں کے پھیلاؤ کو بھی دیکھیں۔

زمین کے سینے پر بھی خصوصاً موسم بہار میں گل بوٹے سر سبزی و شادابی جو کچھ بھی ہم دیکھتے ہو وہ سب اللہ کی بے نظیر، صناعی کی نشانیاں ہیں۔

دن کے اجالے میں صحن زمین پر موجود اشیاء پر، ذرا غور کرو تو تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ یہاں کی چیزیں بھی کسی طرح آسمان کے ستاروں سے کم نہیں۔

آسمان میں چمکتے ستاروں کی طرح، یہاں بھی تلاطم انگیز، سمندر پہاڑی سلسلے کے دلکش فراز و نشیب بھی قدرت کی لازوال صناعی کے بے مثال نمونے ہیں۔

مگر افسوس کچھ گنے چنے لوگوں کے علاوہ، اکثریت ان مصنوعات سے غافل ہے اور اس میخانۂ ہستی کے ساقی و خم بے خبر۔

اگر تم پستی کی طرف، غور سے دیکھو تو تمھیں نظر آئے گا کہ آب و گل کے امتزاج میں کیا کیا چیزیں پیدا کر دی ہیں۔

اگر تم نے قرآن میں جناب مریم علیہا سلام کی داستان پڑھی ہوگی کہ کسطرح وہ خاتون، روح قدسی سے حاملہ ہوئیں

ذرا غور سے دیکھ یہ خاک بھی حضرت مریم علیہا سلام کی طرح، شگفت آور ہے؛ اس خاک نے تو صدہا ہزار عیسی علیہ السلام پیدا کر ڈالے۔

اس کے صحرا میں گل و لالہ، اس طرح آیا ہے جیسے
اپنے رخساروں پر، غازہ اور ہونٹوں پر سرخی لگائے ہوئے
دلہن، حجلۂ عروسی سے باہر نکلتی ہے۔

پھولوں کی شاخوں پر، زرد رنگ کی کلیاں سنہرے
گوشوارے کی طرح، مہلک رہی ہیں۔

سارے کا سارا باغ، رنگ و نقش نگاری میں جیسے
سنہرا بندہ کسی عروس کے کان میں لہراتا ہے۔

جس طرح، رات کے وقت، آسمان تاروں کی وجہ
سے درخشاں ہوتا ہے اسیطرح، باغ میں شگوفوں کی وجہ سے
درختوں کی ہر شاخ، درخشاں تھی۔

مرغزاروں کا نیلگوں لباس، طوطے کے پروں کی طرح
ہو جاتا ہے باغ، طاؤس کی طرح بوقلمونی لباس پہن لیتا ہے،
پیڑ پودے اس طرح کے نقش و نگار ابھار دیتے ہیں
کہ نگارستان چین کو پہاڑوں اور دروں سے تمیز
دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

خاک اپنے شکم میں رنگنے والی چیزیں لئے ہوئے
ہیں جن کے ذریعے وہ اشیا، کو سرخ، سبز، سرمئی اور نارنجی
لباس پہناتی ہے۔

اس خاک سے ایسے لباس نکلتے ہیں جو قینچی اور سوئی
کی مدد کے بغیر، سلے ہوئے ہیں۔
بزاز کہہ اٹھتا ہے: جلدی کرو اور ریز، زرّین
لباس خرید لو۔
دنیا کے عجائبات کو تم شب و روز، غور سے دیکھو
اپنی آنکھوں کو سرمۂ "مازاغ البصر" سے بینا بنالو۔
اور اگر تم ان کو انکار و جہالت کی نظر سے دیکھو تو سرو
تمہاری آنکھوں میں تیرا اور بید، تمہارے سر پر کلہاڑی
کی طرح ہو جائیگا۔ ؎
ادیب اور ایک دوسری جگہ، خدا کے اس ارادۂ فعال کی طرف
اشارے کرکے فرماتے ہیں: جسکی طرف، تمام مخلوقات کی خلقت
کی بازگشت ہے۔
وہی (خدا) تو ہے جو دریاؤں کے اندر بارش کے
قطروں اور نم مٹی سے درخشان موتی اور مرجان پیدا کرتا ہے
حضرت ابراہیم کی بیوی کی طرح، بانجھ، بنجر زمین کو
وہ اپنے باران رحمت کے قطروں سے رحم عطا کرتا ہے
(قابل کشت بنا تا ہے)۔
جو برات (وہ نوشتہ جسکو دکھاکر پیسے ملتے ہیں) قسّام

ازل لکھ دیتا ہے اس میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ بیشی ۔

وہ (خدا) اپنے خامہ کی کلک سے تجھ سے پوشیدہ رہ کر،

باغ کے خوبصورت پھولوں کی تصویر بناتا ہے ۔ ص۸

ادیب، شاعر طبیعت ہیں اسی لئے فطرت وطبیعت کی توصیف اور منظر کشی ان کے اشعار کے ایسے مضامین ہیں جو بار بار، سامنے آتے ہیں اس لئے ان کے دیوان اور قصیر نامہ کامل جایزہ لینے پر، جانوروں، پرندوں اور گل بوٹوں کے مختلف ناموں کی ایک بہترین فہرست، سامنے آجاتی ہے ۔ ص۹

اہم بات تو یہ ہے کہ ادیب کی نگاہیں طبیعت پر ایک حکیمانہ اور عبرت انگیز زوایہ سے پڑتی ہیں۔ ادیب کی نظروں نے صرف، طبیعت کے ظاہری حسن پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تیز نگاہیں، طبیعت کے ان ظاہری پردوں کو چیرتی ہوئی، کشف وشہود کی ان سرحدوں تک جا پہنچتی ہیں جن کی دلکشی وحسن دراصل مالک طبیعت کی صناع آنکھوں سے صفحۂ ہستی پر وجود میں آئیں ۔

گلشن میں گذرنے والے اوقات، ادیب کے نظروں میں صنع الٰہی کی، ایک کھلی کتاب کی مانند ہے اور اس گلشن کی سیر دراصل، سیر آفاقی کا ایک پہلو ہے ۔

واقعاً ذرا سوچئے تو کہ آخر یہ کس طرح مناسب ہے کہ پھولوں کی پنکھڑیاں بلبل کی نظروں میں معانی کا ایک دفتر ہوں اور یہ چمن کا بلبل تو پھولوں کے چہرے پر ہزاروں سربستہ رازوں کو پڑھ لے مگر انسان اپنے شعور ودانش کی آنکھوں

کے ہوتے ہوئے قدرت کے ان تمام آئینوں میں کسی عکس کو دیکھنے سے قاصر رہے۔

میری نظر، جب پھولوں پر پڑی تو دل کے اندر سے فرشتہ نے کہا: ان نقش و نگار پر، سرسری نظر نہ ڈالو بلکہ صاحبان نظر کی طرح دیکھو!

قابل دید چیزوں کو بغور دیکھو کہ یہ ناقابل دید، خدا کی بنائی ہوئی ہوئی ہیں۔

جب چمن میں پھول لگتے ہیں تو مرغان چمن، نغمہ سرائی کرنے لگتے ہیں۔

پھولوں کی شاخوں پر بلبل جو نغمے سناتی ہے وہ درحقیقت اس نے پھول سے سیکھا ہے۔

پھول کی ہر ایک پنکھڑی گلدستہ معانی ہے، اس سبق کو صرف بلبل نے پڑھا ہے۔ ھذا

ابھی ہم نے جو کچھ پڑھا وہ تو بہاروں میں باغ کی توصیف تھی مگر سردیوں کے ٹھٹھری اوقات میں بھی اس کا حال، ملاحظہ ہو:

جب گلشن کا رنگ خزاں کی زہریلی ہواؤں سے اڑ چکا ہوتا ہے اور ایک ایک پتہ، ہزار داستانیں سناتا ہے یہ سب بھی اللہ کی ایک دوسری نشانی ہے۔

ایک اور عجیب عبرت انگیزی ہے جو ان کی بربادی میں پنہاں

ہوتی ہے اور ارباب نظر کے نزدیک ان کی اہمیت، موسم گرما اور بہاروں سے کم نہیں۔

ماہ مہر، گذر گیا اور آبان آپہنچا، آبان میں باغ کے سارے پھول مرجھا گئے۔

بہار کے سارے ریشم و زربفت کے کپڑے باد خزاں کی وجہ سے دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو گئے۔

ہوا کے پاس روئی دھننے کا کوئی سامان نہیں لیکن پھر بھی وہ دھننے میں کسی دھننے سے کم نہیں ہے۔

ہوا میں کیا صنعتگری کے کمالات، موجود ہے، انھیں تم غور سے دیکھو اور خواہش نفس کے دام میں مت پھنسو۔

یہ سارے پھول اور پیڑ پودے جوان تھے یہ بوڑھے کیوں ہو گئے؟! خوبصورت باغ کا چہرہ، بدنما کیوں ہو گیا؟ چودہ سالہ بچہ کو آسمان نے کیوں لوگوں کو صد سالہ پیر کے مانند دکھایا؟!

تم ابر نیسان کے پستانوں سے دودھ پیو تو اپنے لبوں پر شکر اور چہرے پر نمک پاؤ گے۔

تمھارا چہرے مانی کے قلم سے زیادہ نمک بز ہو جائے گا، لب مصری گنوں سے زیادہ شیرین ہو جائیں گے۔

تو صبا سے کہو کہ تو اپنے نشل پروں کو جنبش نہ دے تاکہ تو جاکر ان دلہنوں کے گہنے اتار لے۔

نرگس کے سر سے سنہرا تاج، اتار لیا گیا ہے جو اس نے نقرہ ای طشت میں رکھکر اپنے سر پر سجایا تھا۔

کیا لالہ کو آغاز میں یہ معلوم تھا کہ وہ فلک کی بدعہدی کا شکار ہو کر، ذلیل و خوار ہوگا۔

کیا برگ گل زرتشت کی کتاب "زند" تھی کہ ہر بلبل اس پر آکر نغمے گائے۔

بلبل نغمے سنانے کے قابل نہ رہی، باغ ویرانوں کی طرح اجاڑ ہو گیا۔

اے فاختہ! تو چپ کیوں ہے؟ تجھے تو اس وقت، نوحہ خوانی کرنا چاہیے ان لالہ فاموں اور مہکتے ہوئے گالوں والے پھولوں پر، سپیدہ سحر، زار زار رو رہا ہے۔ ؎۱۱

آفاقی آیات کے متعلق، گفتگو کا اختتام، صبح اس مرغ کے جوش و خروش کے ساتھ کرتے ہیں جو گویا اپنے وجود میں گھڑی لئے ہوتے ہو، یا ستارہ شناسوں کے آغوش میں مدتوں پلا ہوا ہے وقت پر اس شگفت انگیز موجود کی بانگ جو در اصل، دہقانوں کے لئے گھڑی کی حیثیت رکھتی ہے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

سپیدہ صبح نے اپنی نیام سے تلوار کھینچ لی ہے اور

مرغ سحر، گوشۂ بام سے بانگ دے رہا ہے۔

کیا مرغ سحر، خواب سے بیدار ہو گیا ہے اور آبنوسی

بانسری پر چھیڑے ہوئے ہے۔

کیا کسی ستارہ شناس نے اس سے اس بات پر ناموٗ

کیا ہے کیا اس کے اندر، اسطرلاب (ستارہ شناسی

کا آلہ) ہے۔

آخر اس کو اول سحر کا وقت، کیسے معلوم ہو گیا؟

کیا وہ قوس المسیر کی مقدار سے آشنا ہے۔

کیا اسے معلوم ہے کہ اب سورج، کس منزل پر ہوگا؟

جی ہاں وہ بھی سوتا ہے مگر اسکے دل کی آنکھیں بیدار رہتی ہیں

اور اس کے دل کا ایک دروازہ، سورج کی طرف، کھلا

رہتا ہے اور اندھیری رات میں بھی اسے سیر کی آمد کا علم

ہو جاتا ہے ہمیں بھی اسی طرح، خدا کی معرفت حاصل

کرنا چاہئے۔ ۱۲۱

ب ۔ سیر انفس

اللہ کی صناعی کی عظیم نشانیاں محض آفاق اور عرش و فرش وسعتوں

تک ہی محدود نہیں بلکہ خود انسان کے وجود میں بھی اسکی عظیم صناعی کے سینکڑوں

نمونہ، جلوہ فگن ہیں اور وہ اتنے واضح ہیں کہ انھیں بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

سمندر ہا ور زمیں و آسمان کی سیر آفاق کی تکمیل، خود آدمی کے اپنے جسم و روح کی عجیب و غریب چیزوں پر غور کرنے کے بعد ہی ہو پاتی ہے اور اسی تفکر و تامل کو سیر انفسی کہتے ہیں۔

ذرا اپنے چہرے پر نظر تو ڈال آئے وہ جس کے رخسار
سے چمکتے ہوئے ستارے اور نیلگوں آسمان نے تابانی
قرض لی ہے۔

اے عنبریں زلف والے! اے رنگین لب والے! اے خوبصورت نقش و نگار سے بھرپور چہرے والے! تو حسن ازل کی ایک واضح اور روشن نشانی ہے۔ ص۱۳

ہاں! یقیناً انسان کے جسم و جان میں بھی اس شاہد لاہوتی کے جمال کے جلوہ بکھرے پڑے ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ لوگ بہت کم ہی اس طرف متوجہ ہو پاتے ہیں۔

اس پردہ سے باہر بھی خالق و صانع کی بارگاہ موجود ہے جس میں مجھے اور تمھیں شرف باریابی، حاصل نہیں ہو سکتا۔
اسکی صفت کی نشانیاں تو ہمارے جسموں ہی میں موجود ہیں اور بہت واضح ہیں جن سے انکار کی گنجایش نہیں ہے ص۱۴

انسان کا وجود، طبیعت کی دلکشی کی طرح، صرف اللہ کی لازوال، صنّاعی کی جلوہ گاہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے متعلق تو یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ دستہائے قدرت میں جتنا ہنر تھا وہ سب کا سب اس حیرت انگیز مخلوق آدمی پر، صرف کر دیا گیا۔

یوں ہی نہیں خداوند عالم نے انسان کی خلقت، صرف انسان کو پیدا کرنے کے بعد، خود کو "احسن الخالقین" کہا، یعنی یہ انسان، اس "روح خدا" کے اعتبار سے جو اس کے جسم میں موجود ہے سب سے اچھی مخلوق ہے۔

نتیجتاً جس طرح آسمان کے ستارے اور زمین کی دوسری موجودات خود اپنی خالق نہیں ہیں۔ قاعدۂ فنای مرکب وسنّت ترکیب کے نتیجے میں اپنی ذات سے باہر وہ سب کی سب، عین فقر ہیں اور ان کے وجود کے لئے ایک قدر تمند حکیم خالق موجود ہے۔

ٹھیک اسی طرح ہم اور آپ جو جہان طبیعت سے کئی گنا بڑا ایک اور جہان اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ خود اپنے خالق نہیں ہیں درعین حال کہ ہم اپنے وجود کے مختلف تعجب انگیز گوشوں سے اپنی زندگی میں فایدہ اٹھاتے ہیں مگر اس کے باوجود، یہ بات ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ ہم اس جسم کو پیدا کرنے اور اس کے جب تک چاہیں باقی رکھتے میں قاصر ہیں۔

کیونکہ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اگر اس وجود کو ان خوبیوں کیساتھ

ہم نے اور آپ نے پیدا کیا ہوتا تو یقیناً ہم اپنے لئے اس سے زیادہ حسین چہرہ، لمبا قد اور زیادہ طاقتور، نہایت خوبصورت جسم منتخب کرتے اور اس کے علاوہ، ہمیں اس کا بھی اختیار حاصل ہوتا کہ جب چاہیں حسب ذوق اس میں ردّ و بدل کر لیا کریں:

اپنے آپ کو مختلف رنج و آلام، بیماریوں اور بڑھاپے کی آفت سے دور رکھیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اور اگر آپ ذرا اچھی طرح غور کریں تو ہمارے علاوہ، تمام مخلوقات بھی اسی طرح ہیں.

اسی بنا پر ہماری عقل یہ بتاتی ہے: کہ دنیا کی دوسری مخلوقات کی طرح، ہمارے لئے بھی ایک صانع ہے جو خدا ہے؛ زندہ اور زندگی عطا کرنے والا، صاحب ارادہ، مختار اور حکیم. کیونکہ حقیقت اگر اس کے علاوہ کچھ اور ہوتی تو بھلا کسی بے اختیار مردے اور اندھے بہرے کے بس میں تو نہ تھا کہ یہ عظیم کائنات اس نفاست و ظرافت کے ساتھ خلق کر دے لذا جرات کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہئے:

"میں خود اپنا صانع نہیں ہوں مجھے کسی نے پیدا کیا ہے"

یہ بات عقلمندوں کے نزدیک، مسلم ہے جو زندگی عطا کرتا ہے وہ خود بھی زندہ ہے.

جس کی بنائی ہوئی چیزیں ٹھوس اور استوار ہیں اس سے نادان نہ سمجھنا اس کے تمام افعال کی طرح مجبور نہیں ہیں.

جو خود مجبور ہوگا وہ بندوں کو توانائی اور اختیار
کس طرح، عطا کرسکتا ہے؟
جو خود ناتوان ہو وہ دوسروں کو کیسے توانائی دے سکتا ہے
یہ بات عقلمندوں کے نزدیک، باور کرنے کے لائق نہیں ہے۔[15]

۲ - راہ کمال کا دوسرا توشہ، انبیا (ع) کی پیروی ہے

ہم نے دیکھا کہ اپنے ذاتی فقر کے ادراک کے باوجود چشم دل فیض بخش کے اس مرکز تک پہنچ جاتی ہے جہاں پر یہ احساس ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ اسی سے اور اسی کا دیا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اسی کے بیکراں لطف کے نتیجے میں ہے یہاں پر پہنچ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ:

ہستی کا اصل منبع، خداوند عالم ہے اور اس گیتی کی تمام لطافتیں اور ظرافتیں اس کی لازوال، صنّاعی کی پرتو ہیں اور بشر کے ذاتی فقر و جہل نیز اسکی دی ہوئی جزوی عقل (جو خود وہم و ہوس کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کے پردوں سے محفوظ نہیں ہے) کے ذریعے ہستی کے پیچیدہ معمّوں کو حل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور ان سوالات کے جوابوں کے لئے سرگرداں رہنا چاہئے کہ جن کے بغیر ہستی بیکار اور زندگی کھلونا ہو کر رہ جائیگی۔

زندگی کی تاریکیوں میں وحی کے تابندہ چراغ سے تمسّک، انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی کے لئے ضروری ہے اور یہ حرف، اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب

یہ انسان، فلاح و بہبود اور کامیابیوں کے رہبر رسولان خدا کی پیروی کریں انکی ضرورت کو دیکھتے ہوئے انسانی زندگی میں انکی پیروی ایک بہترین عمل ہے بلکہ دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ:

ہم اور آپ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ خالق، ہر چیز سے آگاہ ہے اس کے علاوہ خود ہمارے وجود کی گہرائیوں میں اسکے صفات کی تجلیاں، تابندہ گوہر کی طرح درخشاں ہے اور ہمارے کمال کی انتہا یہی ہے کہ ہم اس گوہر نایاب کو اپنے وجود کی گہرائیوں سے اوپر نکال لائیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس راہ کمال کی مکمل تشخیص اور اس راہ میں آنے والی مختلف رکاوٹوں کا ہمیں پوری طرح سے علم نہیں ہے اور ان کی مکمل شناخت بغیر عقل و معرفت کی مدد کے محض عقل انسانی کے بس کی بات نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خالق حکیم و خبیر نے مسند نبوت بچھایا اور رسولوں کو بشر و بشریت کی طرف بھیج دیا تاکہ یہ انسان کے اندر چھپی بیکران استعداد کو ابھارنے کے لئے، انھیں کچھ سکھائیں کچھ یاد دلائیں اور علم و کمال کی سربلند چوٹیوں سے آشنا کرائیں۔

اس طرح، یہ پیغمبران، انسانوں کے لئے، فلاح و بہبود کی خاطر، ان کے معلم کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا اس لطف کے بعد، ہماری عقلیں بھی ہمیں یہی سکھاتی ہیں کہ: ہم ان کی راہوں میں دل بچھائیں اور وہ جو بھی واجب یا مستحب عمل

کا حکم دیں اسے دل و جان سے قبول کریں جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا
: "یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ نے ہدایت کی ہے لہذا تم بھی ان کی
ہدایت کی پیروی کرو"۔

اسی نے پاک و پاکیزہ پیغمبروں کا سلسلہ قائم کیا تاکہ وہ
انسانوں درس زندگی سکھائیں۔

اللہ نے قرآن میں "فبھداہم اقتدہ" فرماکر تمھیں متوجہ
کردیا کہ ان کی سیرت، اپناکر ذلت وخواری سے بچو۔

لہذا انبیاء نے جو فرائض بیان فرماتے ہیں اور جو
سیرت قائم کی ہے اور جن کاموں کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہو
جاو اور انکی فرمانبرداری کرتے رہو۔

خداوند عالم، قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ: اللہ
تعالی متقیوں کو دوست رکھتا ہے لہذا جو پرہیزگاری نہیں اپنائے
گا وہ خدا کا دوست نہیں بن سکتا۔

عقل انسانی اصل وبنیادی معارف کے درک کرنے
میں اگرچہ مستقل وپایدار ہے مگر آداب وروش اور تکامل کی
منزلوں کو طے کرنے میں بغیر کسی رہنما کے اپنے اہداف تک
نہیں پہونچ سکتی۔

چونکہ سیر وسلوک وآداب کی راہ میں تھک ہار کر بیٹھ جاتی

ہے لہذا خداوند نے مسند پیغمبری بچھائی۔ ص۱۶

انسانی زندگی میں انبیاء کے اہم کردار اور انکی ناگزیر ضرورت کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے نیز ان دونوں کے درمیان جان وتن کے رابطے کی مزید وضاحت اور انسان کے وجود میں پوشیدہ لازوال استعدادوں کو مکمل طور پر سمجھانے کی خاطر، ادیب کے اشعار میں ہم ان گوہر ہائے نایاب کی طرح، پراکندہ موضوعات کو یکجا کرکے ایک جامع اور مفصل بحث کرینگے۔

الف ۔ جان وتن اور ان کے درمیان نسبت

اگر انسان حقیقت بین انکھوں کے جھروکوں سے ان آفاق اور خود اپنے وجود پر ایک ذرا نگاہ غور ڈالے تو یقیناً اس سیر انفسی کے نتیجے میں اسے یہ پتہ چل جائیگا کہ: خالق کائنات نے اس کے وجود کے نہاخانوں میں دو ایسے جہان علوی وسفلی (پست ترین وبلند ترین) چھپا رکھے ہیں جو ایک رسی کے بلوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بٹے ہوئے ہیں۔

اس کے وجود میں ایک دنیا تو جہان جسم وتن کی ہے یا یوں کہیں کہ وہ ایک خاکی ڈھانچہ ہے جسکی سرشت، آب وگل ہے اور وہ صد فی صد مادیات کے زمرے میں آتا ہے مگر اسی انسان کے وجود میں دوسری دنیا جہاں روح وجان بھی آباد ہے جو اللہ تعالی سے خاص الفت و لگاؤ اور خصوصاً

اپنے اندر موجود خاص گوہر کی بنا پر، انسان کے وجود کا علوی یا بلند جزو شمار کیجاتی ہے۔

انسان کا وجود، دنیا کی تمام لطافتوں اور ظرافتوں کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے بالکل کسی غیر متناہی بحر بیکران کی طرح کہ جسکی گہرائیوں میں ایک دمکتا ہوا موتی چھپا ہو۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ انسان بحر بیکران بھی ہے غواص بھی ہے اور یہی اس بحر بیکران سے حاصل ہونے والی بیش قیمت موتی بھی۔

حقیقتاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کے وجود کی وہ کونسی حقیقت ہے جس نے اسے جانوروں کے گلے سے بلند کر کے ملائکہ کی صفوں میں لا کھڑا کیا اور اس کے وجود و ہستی کا جوہر کیا ہے؟

سیر انفسی میں سب سے پہلے جو چیز نظر آتی ہے وہ آدمی کے ظاہری جسمانی اعضا میں انکی حیرت انگیزیاں ہیں جو اس کے خد و خال سے پھوٹی پڑ رہی ہیں اور اگر اس سے زیادہ گہرائی میں جائیں تو ہم اس کے روح و جان کی وسعتوں کو چھونے لگیں گے وہ روح و جان جو انسان کے مختلف ترش و تلخ حالات کی مستقل آماجگاہ ہے۔ تم گویا ایسے پردہ کی طرح ہو جس سے لحظہ لحظہ نئے نئے نغمات پھوٹ رہے ہوں۔

انسان کا جسم اور طبیعت مادی ہے اور اپنی تمام تر عظمتوں اور بلندیوں کے باوجود۔ دنیا کی دوسرے موجودات کے مقابل۔ کائنات کا ظالم

اور پست ترین موجود ہے، مگر روح ایک نغمۂ الٰہی ہے جس پر عالم لاہوت کا رنگ چڑھا ہے۔

انسانی جسم، سیاہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور روح،
ایک ایسے روشن اور تابندہ جہاں سے خلق کی گئی ہے جس
میں تاریکی کا گذر نہیں ہے۔ ص۱۷

عالم نور ہی سے تیرے روح نے بال و پر، پائے ہیں
اور اسی کے ذریعے وہ فرشتوں کی صفوں میں پہنچ جاتے
ہے۔ ص۱۸

بغض و حسد کتّے کے پلّوں کی طرح ہیں جن کو کسی نے تیرے اندر گہرائی تک رکھدیا ہے۔ لالچ و طمع، سانپ کے بچے کی طرح ہے جو تجھے لب گور تک لے جائے گا۔ مگر انسان کی حقیقت جو دراصل، اس کی خلقت کی علت نہائی بھی ہے۔

پھر بھی ان دونوں سے بلند تر ہے۔ وہ جوہر جو وجود آدمی جس کے جسم و روح، اعراض ہیں۔ وہی تابندہ گوہر ہے جو دریا میں موجود، پہاڑوں کے سینوں میں سربستہ رازوں کی مانند، چھپے نایاب گوہروں کی طرح، انسان کے نہاخانوں کی نہایت عمیق وادیوں میں پوشیدہ ہے

یہ گوہر کیا ہے؟

یہ گوہر، گوہر تجلّی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے جلالی و جمالی صفات کا

انسانی وجود کے آئینے میں جلوہ افروز ہونا یا دوسرے لفظوں میں یہ جوہر، اس پاک و پاکیزہ روح کو کہتے ہیں جو شیطانی ہوس اور حیوانی جبلتوں سے پاک اور علم و عمل، صدق و اخلاص و تقوی کے الوہی زیور سے آراستہ ہو۔

اگر تم اپنے ضمیر اور طبیعت کی طرف، نگاہ اٹھا کر دیکھو!
حالانکہ بہت مشکل ہے اور کم یہی ایسا ہوتا ہے تو تمھیں اپنی طبیعت کی جانب، سیر کے لئے راستہ دکھائی دیگا۔

تم اپنے باطن میں نیکی اور بدی کے آثار کو آپس میں، دست و گریبان دیکھو گے جو اپنے استقلال کی وجہ سے ایک دو سری ہی دنیا ہے۔

اپنے اندر غور و فکر کرائے وہ کہ جس کے رخسار سے ستاروں اور آسمان نے تابندگی کو قرض لیا ہے،

حسن ازل کے جلوے کے لئے تو ایک واضح اور روشن نشانی ہے تیرے لب رنگین، زلف عنبرین اور چہرے کے خد و خال دلکش ہے

اگر تو کہ جہان ہستی کی کامل سیر کرے تو اپنے آپ میں غور و فکر کر تو خود ہی دریا بھی ہے، غواص بھی گوہر تابناک بھی

ہر دریا کا کوئی نہ کوئی کنارہ ہوتا ہے لیکن تو تو دریائے ناپیدا کنار ہے۔

میں تجھے نہ عرش کہونگا نہ کرسی اور ہی روح قدسی، کیونکہ
یہ سب تو تیرے اعراض ہیں اور تو جوہر ہے۔ ف۱۹

یہ گوہر جس کے متعلق مزید بحث آئندہ آئے گی۔ ادیب کے اشعار میں مختلف تعبیروں کیساتھ ذکر ہوا ہے مثلاً معدن نور:

اگر تیری اس طبیعت کے مقابلے میں گل بہت ارزاں ہے اگر
تو نے اس سے اپنی طبیعت میں معدن نور نہ لیا۔

معدن نور، طبیعت کے پتھر کے نیچے چھپا ہوا ہے تو اس معدن
کے اوپر پتھر نہیں بلکہ پہاڑ رکھدے جسطرح قاروں کے خزانے
کے اوپر، پہاڑ رکھا ہوا ہے۔ ف۲۰

و یا آئینہ (یعنی ایسا پگھلا پتھر جو انسانی وجود کے معدن سے نکلا ہوا اور اسکی ظاہری سطح کو دانش وحسن عمل کی راکھ کے ذریعے دنیا و دنیوی تعلقات کے زنگ سے پاک کیا گیا ہو اور وہ جام جہان بیں کی طرح حقایق ہستی کو منعکس کرنے لگا ہو)۔

باطن میں ضمیر کے آئینہ کو روشن کرو، اگر دن کی روشنی
سے آئینہ روشن ہو جاتا ہے۔

اپنے وجود کے معدن سے ایک پتھر نکالکر اسے پگھلاو
اور اسے اتنا جلا دو کہ وہ آئینہ چمکیلا ہو جائے۔ ف۲۱

جسم وجان کے درمیان حقیقی نسبت کے بارے میں ہمیں اچھی طرح غور

وفکر کرنا چاہئے تاکہ ہم اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے کے صحیح راستوں سے بخوبی واقف ہوجائیں۔

ادیب نے اس موضوع پر مختلف وگوناگوں تمثیلات وتشبیہات سے استفادہ کیا ہے: ایک مثال میں جسم ایک صدف اور جان ایک موتی کی طرح ہے جس سے صدف، اپنے دل میں رکھے رہتا ہے۔

ہمیں اچھی طرح، معلوم ہے کہ باوجود کہ موتی، صدف کا پروردہ ہوتا ہے اور صدف، موتی کا گہوارہ ہوتا ہے مگر پھر بھی صدف بہرحال موتی کی جنس سے ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اگر اسکی اور موتی کی نسبت سے چشم پوشی کرلے جائے تو صدف کی حیثیت بالکل ختم ہوجائیگی۔

جسم، سیاہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور تابندہ جان
ایسے روشن جہان سے جہاں، تاریکی نہیں ہے
وہاں صدف اگرچہ اندر موتی پالتا ہے مگر پھر بھی
صدف، موتی کی جنس سے ہرگز نہیں ہوتا۔ ص۲۲

اور ایک دوسری مثال میں: جسم وجان کی کہانی، شکر وگنے کی طرح ہے کہ گنے کو پیرے بغیر، شکر کا حصول ممکن نہیں:

تم اپنے وجود میں شکر کا دریائے نیل، رواں پاؤگے اگر
تم اپنی جان کو ریاضت میں مصری گنے کی طرح پیروگے۔ ص۲۳

اور آخر ایک دوسری مثال میں: جو شاید کچھ زیادہ ہی گویا ہو جان

وجسم، سنگ و خاک اور ان میں چھپے گنج و گوہر کی طرح ہے جہاں پتھر و مٹی کی حیثیت محض ایک وسیلہ اور ذریعہ کی ہے جب کہ حقیقی حیثیت ان کے سینوں میں چھپے خزانوں اور جواہرات کی ہے بلکہ اس سے زیادہ وضاحت کیلئے یوں کہا جائے کہ: خاک و معدن کی یہی حیثیت ہے کہ ان پر محنت کرنے والا انھیں کے وسیلے سے خزانوں تک پہنچ جاتا ہے۔

اس مثال میں دو نکتوں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ جواہر کی تلاش کرنے والے کیلئے وہ خاک و پتھر، مطلوب نہیں ہیں جن کے سینوں میں خزانے چھپے ہوئے ہیں اور نہ ہی کسی کا مقصود اصلی وہ صدف ہوتے ہیں جن کے سینوں میں موتی چھپے ہوتے ہیں بلکہ ان کی جو بھی قدر و اہمیت ہے وہ محض ان کے سینوں میں چھپے ہوئی موتیوں اور خزانوں کی وجہ سے ہے

لھذا اگر ہم اس مخزون خزانے کی حفاظت کرنا چاہیں تو اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم صرف، انھیں پتھروں کی حفاظت میں مشغول رہیں اور اس گوہر مقصود کی تلاش اور اسے حاصل کرنے سے غافل ہو جائیں اور صرف اس پتھر و خاک کی دیکھ ریکھ میں جٹے رہیں:

جسم روشن روح کا پرتو ہے نمی کی وجہ سے گلشن ہرا بھرا

اور شاد ہے۔ ۲۷

دوسری بات یہ جبکہ ہمیں کمر ہمت باندھ لینا چاہیے اور دشت و صحرا پہاڑوں کی زمین کے سینے میں چھپے خزانوں کی تلاش میں کھود ڈالنا

چاہئے اور اس گوہر کو باہر نکال کر اس سے تمام فالتو چیزوں سے پاک کرنے کے بعد، ایک دم خالص کر دینا چاہئے۔ اس ایک مثال سے ممثل یعنی اپنی اصل بات کی طرف آتے ہوئے ہم کہتے ہیں :

پہلی بات تو یہ ہے کہ جسم و روح کے مقابل، کسی ذاتی حیثیت کا حامل نہیں اور اسکی قیمت موتیوں کو اپنے سینے میں چھپانے والے صدف سے زیادہ نہیں جسم اس صدف یا پہاڑ کی طرح ہے جو اپنے اندر، روح و جان چھپائے ہے۔

اگر پہاڑوں کے سینوں میں قیمتی جواہرات نہ ہوتے تو یہ پہاڑ محض بے قیمت پتھروں کے ڈھیر ہوتے بالکل اسی طرح، جسم کو صرف جسم کے لئے با اہمیت سمجھنا بلکہ اس سے بدتر یہ ہے کہ اس کے اندر چھپے بیش قیمت گوہر سے غافل ہو کر صرف جسم کی آسایش اور اسی کا خیال رکھنا ہے اور اسکی وجہ سے جسم و جان کی نشو و نما اور پرورش کو ایک دم فراموش کر کے صرف تن پروری میں مشغول ہو جانا۔

بلکہ دوسرے لفظوں میں خاکی جسم میں اسیر، لاہوتی و آسمانی روح کو جسم کے لئے ایک تحفہ و معبر سمجھ کر جسم کے راحت و آرام کیلئے روح و جان کو تکلیف و اذیت میں مبتلا کر دینا، حد درجہ، حماقت اور بیوقوفی کی علامت ہے۔

اس دنیا کیلئے میں ایک روشن ستارہ ہوں اے

صدف! تو میرے قربان ہو جاؤ کہ میں گوہر آبدار ہوں

دنیا سمندر ہے اور لوگ، صدف کی طرح ہیں لیکن صدف کو خود گوہر آبدار سے شرف ملتا ہے۔

تم صدف کے منہ میں داخل ہو جاؤ اور موتی حاصل کر لو! اس کے بعد، صدف سے کہو مر جائے۔

آدمی کی صورت میں پیٹ بھرنے والے خوش خوراک، اس معنی کہ پردوں میں چھپے ہیں۔

فرومایگی جسکی طبیعت کا حصہ ہے وہ شخص خوش خوراک (پیٹو) کے علاوہ، کوئی نہیں ہو سکتا۔

تن پرستوں سے زیادہ، ذلیل و رسوا دنیا میں کوئی نہیں ہے جو خوش خوراکی کی وجہ سے راستے میں بھی اپنا منہ چلاتا رہتا ہے وہ گائے کی طرح ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ زندگی، کھانے کے لئے نہیں بلکہ کھانا جینے کیلئے ہونا چاہئے، یہ چوپایوں کی پہلی خصلت اور انسان کا دوسرا آئین ہے

ہر وہ شخص جس پر اسکی خواہشات، غالب آجائیں گی اس ہر آرزو صرف، اپنے بدکردار جسم کے لئے ہی ہوگی۔

انسان کے پیکر میں حیوان چھپا ہوا ہے وہ مردم گیاہ (ایک گھاس جو انسان کی شبیہ ہوتی ہے)، ہے لیکن انسان اور انسانیت

سے کوسوں دور ۔

انسان کا کھانا زندگی کیلئے ہونا چاہئے یہ نہیں کہ

اسکی زندگی چرنے کیلئے ہو ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ بجای اسکے کہ آدمی، جسمانی راحت ،

شکم پروری ، بہت زیادہ سونے کھانے اور پینے کہ جس کا نتیجہ ، چوپایوں کی

صفت میں بلکہ اس سے بھی زیادہ ، پست ہونا ہے محکم ارادہ سے کھڑا ہو جائے

کمر ہمت کس لے اور محنت و لگن سے اس گوہر نایاب کو نکالنے میں

مشغول ہو جائے ۔

تیری اس طبیعت کے مقابلے میں مٹی بہت ارزاں ہے اگر

تو نے اس سے اپنی طبیعت میں معدن نور نہ لیا ۔

معدن نور، طبیعت کے پتھر کے نیچے چھپا ہوا ہے تو اس

معدن کے اوپر پہاڑ ہے ۔

اگر تو اپنے تیشۂ ریاضت سے پہاڑ کو توڑ سکے تو تجھے

وہ درخشان گوہر، حاصل ہو جائیگا ۔

وہ درخشان گوہر، خداوند متعال کی روشن صفات

ہیں تو ان صفات سے خود کو مزین کرلے ۔ ص۲۵

ب - ریاضت ، روش اور مقصد

ادیب کے اشعار چونکہ پند و نصیحت لئے ہوئے ہیں لہذا ان کا دیوان ایک ایسا صحیفہ ہے جو انسانوں کو بری عادات چھوڑ کر فضیلتوں کی طرف بلاتا ہے ادیب نے متعدد مقامات پر روح کا شیطانی اطوار سے پاک ہونا اور انسانی خصلتوں سے آراستہ ہونے کو لازم قرار دیا ہے یہ بات ان کے اشعار میں متعدد مقامات پر، بار بار نظر آتی ہے .

ان کی تحقیق سے پہلے ضروری ہے کہ ہم دو سوالوں کے جواب دے دیں سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ: ادیب نے جس ریاضت کو لازم قرار دیا ہے وہ کیسی ہے ؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ اس جسم کی ریاضت کا مقصد کیا ہے ؟

پہلے سوال کا اجمالی جواب یہ ہے :

اگر یہ بات مسلم ہے کہ: صرف انبیاء و رسولان خدا علیہم السلام ہی انسانوں کو خود خواہی کے گہرے کنویں سے نجات دے کر اس گوہر مقصود تک پہونچانے والے ہیں تو پھر اس ریاضت کا جز، ان کے فرامین کی پیروی کے کوئی اور مفہوم نہیں ہو سکتا اور ان کی پیروی یعنی گناہوں سے پرہیز اور شرعی عبادت کی انجام دہے .

مولای کائنات حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں اپنے دینی برادر

کی توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرا ایک بھائی تھا، جب بھی اس کے سامنے دو مباح، کام آتے تو وہ غور کرتا کہ ان دونوں میں سے کونسا کام، ایسا ہے جیسے نفس پسند کرتا ہے. جس کام کو نفس، پسند کر رہا ہوتا وہ اسے چھوڑ کر دوسرے کام کو اختیار کر لیتا تھا"۔ ص۲۶

اور اسی طرح، مؤمن کے صفات کے بیان کے موقع پر، فرماتے ہیں: "مومن کے نزدیک، ذلیل ترین شیئ، نفس ہوتا ہے"۔ ص۲۷

صاحب کفایۃ الاثر نے بھی نام امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی وصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: آپ نے جنادۃ بن امیہ سے فرمایا کہ دنیا سے صرف اضطراری صورت میں فایدہ اٹھاؤ؛ کیونکہ دنیا کی وہ چیز جسے تم نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے اگر حلال ہوتی تو تم نے اسمیں زہد کا مظاہرہ کیا اور اگر حرام ہوتی تو تم نے اس کے استعمال سے خود کو بچا لیا اس طرح، تم گناہ سے دور رہے کیونکہ حرام چیز کا استعمال صرف، اضطراری صورت میں مردار کی طرح، مجبوری کی مقدار ہی میں جایز ہوتا ہے"۔ ص۲۸

اور اس طرح، دوسری سینکڑوں روایتیں موجود ہیں جو دنیا طلبی سے دل کو دور رکھنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔

ان سب کے علاوہ بھی اصولاً نماز و روزہ (خصوصاً گرمیوں کے ان طویل اور گرم دنوں میں روزے جو یقیناً جہاد بالنفس کا ایک اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں یا

راتوں کو نماز ہای مستحبی میں طولانی قیام وسجود) بلکہ ان تمام عبادتوں میں مشقتیں اٹھانا جن کی شریعت کی طرف سے ترغیب دلائی گئی ہے ریاضت نہیں ہیں تو پھر ریاضت کیا ہے ؟

ہمیں بخوبی علم ہے کہ اسلام کے عظیم رہبروں اور بڑے بڑے زعیمان قوم نے حد درجہ ثروت ومکنت کے باوجود، سادہ زندگی اور ہر معاملہ میں سادگی کی پابندی کو ملحوظ رکھا تاکہ حکومت وسلطنت کے باوجود ان کی سادہ اور دنیوی آلایشوں سے پاک زندگی دوسرے محروم وفقیر افراد کے دلوں کو تسلی بخشے اور یہ عظیم ذمہ داری حاکموں کیلئے ایک سخت ریاضت ہے بہ قول مولای کائنات حضرت علی علیہ السلام :

" میں اپنے نفس کے لئے بس اسی پر قانع ہوں کہ اے امیرالمؤمنین کہا جائے اور میں دنیا کی مکارہوں میں لوگوں کا شریک نہیں ہوسکتا ". ص۲۹

یقیناً اصل ریاضت کی اہمیت وضرورت کے متعلق تو کوئی بحث ہی نہیں ہاں : اگر کوئی بات ہے کہ زیادہ ہے تو روش اور اسکی مشروعیت کے متعلق ہے یعنی ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان ریاضتوں کے درمیان کونسی ریاضت، شارع کے نزدیک، قابل تعریف اور انسان کی کامیابی کیلئے زمینہ ہے اور کونسی ریاضت، باری تعالی تک پہونچانے کیلئے انسان کی معاون ہوسکتی ہے اور یہی بات پرہیز مطلق یا حیوانی خواہشات کو مار بھگانے کے سلسلے میں لازم اور مشروع ہے .

یا وہ ریاضت جو نقصان دہ و غیر مشروع ہے لہذا اسی وجہ سے ریاضت کے انتخاب کے لئے بہترین روش، انبیاء کی پیروی ہے اور ادب کے اشعار میں اس کی تاکید اسی بنا پر ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ بدن کی ریاضت کا مقصد کیا ہے؟

اس طرح کے سوال کے جواب میں یہ کہنا چاہئے کہ: بدن کی ریاضت اس لئے ضروری ہے کہ: جسم خاکی نے ذاتی تقاضوں کی وجہ سے روح علوی کو اپنا گرفتار کر لیا ہے اور آخرت کی طرف توجہ کی بنا پر اسے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اپنے خالق کی طرف واپس پلٹے گا۔ لہذا جسم کی ریاضت اور سختیوں کی وجہ سے یہ خاکی ڈھانچہ، روح کا تابع ہو جاتا ہے اور یہ اسب (گھوڑا) رام ومطیع، بندے کی طرح، روح کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔

جو شخص ہوا و ہوس سے دور ہو جاتا ہے، دیو نما
جسم اس کا غلام ہو جاتا ہے۔ ۳۰

جب انسان، جسم پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ روح
و جان تک پہونچ جاتا ہے اور وہ جب جان تک پہونچ
جاتا ہے تو اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔ ۳۱

عالم قدسی کی طرف، بلند ہونے کیلئے نفس روح کے ہمراہ ایک نہایت سرکش اور بگڑیل گھوڑے کی طرح ہے مگر ریاضت کی وجہ سے یہ تن کی سواری رام ہو جاتی ہے اور اپنے سوار قدسی جان کو تند رو براق کی طرح لاہوتے

بلندیوں، تک پہونچا دیتی ہے ۔

یہاں یہ بھی ذکر کردینا مناسب ہے کہ : ادیب، قدسی تفکر کے پروردگار کی طرح صرف جسم کو ریاضت کے طلاساز، ظرف میں جلا دینا چاہتے ہیں کہ جسکی پشت پر عالم جان ہو اور وہ روح کا رام شدہ براق ہرگز نہیں اس کی حالت، جان کے ساتھ بالکل دیو اور فرشتہ کی حکایت یا مجنون اور اسکے اونٹ کی طرح ہے ۔

لہذا جسم مطلقاً ہمیشہ کے لئے نفی نہیں کیا جاسکتا اور تن سوزی کا بز تعلیمات انبیاء کے موافق ہوجانے کے اور طرح، مفہوم نہیں ہے اور یہاں کا قصہ بھی اسی طرح ہے جسمیں ایک فنا بقا میں اور ایک بقا فنا میں ہوا کرتی ہے ۔جب جسم بے خواہشات نفسانی کے جال اور درندے دور ہوجاتے ہیں تو جسم فرشتوں کی روح لئے ہوئے گویا دوبارہ زندہ ہوتا ہے ۔ ۳۳

خود ریاضت اور واجبات و نوافل شرعیہ پر اسکے انطباق کا مقصد و مفہوم یہی بتایا گیا ہے ۔

آئیے اب ادیب کے اشعار کے بعض نمونوں کا ملاحظہ کریں جن میں انھوں نے نفس کے تخلیہ و تحلیہ کے متعلق گفتگو کی ہے اور سب سے پہلے ہم تخلیہ سے شروعات کرتے ہیں جس کا مطلب، آدمی کی باطنی پاکیزگی اور اسکی راہ کمال میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنا ہے ۔

پ۔ روح کو بری صفتوں سے پاک کرنا

گر جسمانی ریاضت اور دام شہوات و شکم میں گرفتاری سے پرہیز، گوہر جان کی طرف جانے والی عظیم شاہراہ کا نام ہے تو یہ بھی یقینی بات ہے کہ اس عظیم گوہر کے حصول کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، دنیا کی، ہوس اور آرزوں کی کثرت ہے اسی لئے ادیب کے اشعار میں مختلف جگہوں پر ان رذیل عادتوں کی مختلف پیرایوں میں مذمت بلا وجہ ہی نہیں ہے۔

ادیب، دنیا کی تصویر کشی کرنے وقت، دنیا جو کہ حق کا پردہ، اور انسان کے لئے آخرت سے روگردانی کی سب سے بڑی وجہ ہے،

ہماری مراد، ایسی دنیا ہے نہ کہ وہ دنیا جو آخرت کی کھیتی، اور پاکیزہ لوگوں کی تجارت گاہ ہوا کرتی ہے۔ اپنے اشعار میں مختلف قسم کے معنے بھی لایا کرتے تھے جن کی کافی تعداد، ہوا کرتی تھی،

البتہ نہج البلاغہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ: ان تمام اشعار کا اصلی منبع و مأخذ کیا ہے دنیا کہ سلسلے میں سب سے پہلا نکتہ، جس پر توجہ کرنا چاہئے یہ ہے کہ یہ دنیا ایک نہایت وسیع دام تزویر ہے۔ حکیم پیشا دری کے نزدیک، اس خستہ حال و سالخوردہ اور کبڑی بڑھیا کیطرح ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اچھی صورت میں مشک و عنبر لگائے خود کو لاکھوں طرح کے بہترین زیوروں سے آراستہ کر کے ہزار طرح کے مخفی جالوں کو انسانوں

کے راستہ میں بیٹھ گئی ہے تاکہ ان سب کو ایک ایک کر کے غفلت کے عالم میں اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ان کے پیروں میں بیڑیاں اور گردنوں میں وزنی طوق، ڈال کر جہنم کی گہری گھاٹیوں میں کھینچ لے جائے۔

موت ہی تمھارے دل سے اس دنیا کی خواہش کو نکال
سکتی ہے بیوقوفی کے درد کا علاج، موت کے سوا کچھ بھی نہیں
ہے۔

اپنے چہرے کو آراستہ کئے اور اپنے بدن کو خوشبوں میں
بسا کر یہ کبڑی بڑھیا (دنیا) ہمیشہ سے ہی فریب دیتی رہی
تم ابھی اپنے نفس سے باہر نکلے ہو اور یہ مشاطہ اپنے کو
ہزاروں زیوروں سے آراستہ کئے بیٹھی ہوتی ہے۔
اسکی پوشیدہ گردن اور کان میں لعل وگہر کے ہار اور
بندے پڑے ہوتے ہیں، اپنی پوشیدہ پیشانی کو زریں جھومرے۔
سجائے ہوئے ہے۔ ۳۷ھ

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ دنیا بے اعتبار و ناپائیدار ہے اس کی دلربائی دیر پا نہیں ہے اسی لئے ارباب تفکر قدسی و حکمت کی یہ عام رائی ہے کہ: دنیا ایک ایسی بڑھیا ہے جس کے ہزاروں شوہر ہیں اور یہ ہر روز کسی ایک کی آغوش میں سوتی ہے اور پھر دوسرے دن کسی دوسرے کے پاس چلی جاتی ہے! یہی نہیں یہ جب آدمی کی گود میں سوتی بھی ہے تو ہر گھونٹ میں سینکڑوں زہر کے پیالے

اور ہر شاخ گل کے ساتھ ہزاروں کانٹے لئے ہوتی ہے ۔

اسس گلزار (دنیا) میں کوئی بھی پھول ایسا نہیں ہے جسکو

توڑنے والے کے ہاتھوں سینکڑوں کانٹے چبھے ہوں ۔ ۳۵

بلّی کی خصوصیتوں میں سے ایک ہے جو کہ بیوفائی اور بے حیائی کیلئے ضرب المثل

ہے یہ ہے کہ : جب بلّی بچہ دیتی ہے تو اسس کا باپ ، اسس پر حملہ کر دیتا ہے

تا کہ اپنے بچوں سے پیٹ کی آگ بجھائے حالانکہ وہ اسی کے جسم کے ٹکڑوں کی حیثیت

رکھتے ہیں اسی وجہ سے ماں بچوں کو دانتوں میں دبا کر باپ کی نظروں سے دور

کہیں چھپ جاتی ہے ۔

فلک بھی گربہ خو ، بے مروّت اور بے رحم ہوتا ہے اسس کے

پنجے اپنے فرزندوں کے خون سے آلودہ ہیں ۔

اور یہ دنیا بھی اسس بلے کی طرح ہے جو اپنے دودھ پیتے

ہوئے بچوں کو کھا جاتا ہے ۔

جس کو اپنے دودھ پیتے بچوں کو کھا جانے میں شرم نہیں

آتی اسس سے کسی کو بھی شرم نہیں آتی ۔

یہ آسمان بھی بلّی کی طرح ، طوطا چشم ہے اسس سے ڈرتے

رہو اور اسس سے نازو نخرہ نہ کرو ۔

سر اٹھا کر اکڑ کر نہ چلو بلکہ سر جھکا کر چلو اور اسس بے دین

سے ڈرتے رہو ۔

فلک نے آج تک اپنا کوئی وعدہ پورا نہیں کیا ہے
لہذا نہ سر پیٹو اور نہ ہی اپنے رخ پر طمانچہ لگاؤ، ۳۶

تم جانتے ہو کہ یہ زمانہ، ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے اگر یہ گذر
گیا تو تو دوبارہ پلٹ کر نہیں آئے گا،

اے نادان! کیا اب تک تو صحرا میں تھا کیا تو نے کبھی باد
تند میں تنکوں کو دیکھا ہے؟

یہ زمانہ وہی ہے بادتند "کاوس" کا تاج اور "قباد"
کا تخت اسی کے لئے ہے، ۳۷

ہم نے جو کچھ کہا ہے اسے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمیں دنیا کے نرم آہنگوں سے دل نہیں لگانا چاہئے اور نہ ہی اس کے ناپایدار، عہد و پیمان سے دھوکہ کھانا چاہئے بلکہ اس کے رنگا رنگ جالوں سے نہایت ہوشیاری کے ساتھ احتیاط برتنا چاہئے اور خصوصاً اس کی محبت کو تو دل سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے،

اس گلزار (دنیا) میں کوئی خوبصورت پھول، ایسا
نہیں جسکو توڑنے والوں کے ہاتھوں میں سینکڑوں کانٹے
نہ چھپے ہوں!،

دنیا کی نرم و رسیلی آواز پر لٹو نہ ہو جاتو اس دنیا
کا کردار ویسا نہیں ہے جیسی اسکی گفتار ہے!،

اس کے وعدے پر اکڑو نہیں، اس کے نزدیک
اپنے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں ہے! ۳۸

حقیقی مسرّت جو انسان کے لئے سزاوار ہوتی ہے وہ ہے جو روح کی گہرائیوں اور غیب کے پردوں سے ہوکر آتی ہو نہ کہ وہ خوشی جو مال و دولت زمین و جائیداد کی وجہ سے ہوا کرتی ہے یہ اس آگ کی طرح ہے جس کا انجام راکھ کے ڈھیر کے علاوہ، کچھ بھی نہیں جس کا انجام فانی، ناقابل نمو اور گذر جانے والا ہوتا ہے۔

اصل خوشی وہی ہے جو روح کی گہرائیوں سے اٹھے تاکہ
وہ تمھارے اندر کے ہر غم کو دور کردے۔

ورنہ وہ خوشی جو سیم و زر سے حاصل ہوتی ہے اسکو تم
اس آگ کے مانند جانو جس کا انجام راکھ ہے۔

گلاب غیب سے اپنے مشام جان کو معطر کرنا چاہئے
تاکہ اسکی خوشبو رات کی رانی کی طرح ہو جائے ۳۹

تمھارے پاس جو کچھ موجود ہے اس سے خوش اور مست
رہنے کے لئے تمھارے پاس عقل کا ہونا ضروری ہے۔

اپنے آپ کو بندھوں سے آزاد کرالو اور ان چند سانسوں
کو غنیمت جانو!

جو دنیا کے بندھوں سے آزاد نہیں ہے تو یہ جان

لو کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی خوش نہیں رہ سکتا۔ (۳۸)

مولای کائنات نے نہج البلاغہ میں بار بار یہ یاد دلایا ہے کہ: قبل اس کے کہ دنیا - یہ شوخ چشم و بے وفا بڑھیا - تم سے اپنا تعلق برقرار کرے اور تمھارا خود اپنے آپ سے ناتا توڑ دے اپنے زہر کو موت کے ہاتھوں تمھارے منھ میں انڈیل کر تمھیں تمھاری قبروں کی تاریکی میں ڈھکیل دے اسکی محبت کو اپنے دل سے نکال دو اور کل آنے والی منزل کے لئے زاد راہ اکٹھا کرنے کی، فکر کرو۔ (۳۹)

اور دراصل یہ وہی حقیقت ہے جسکا اظہار حدیث "مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا" کرتی ہے۔ ادیب بھی اسی طرح کی حدیث کے الہام اور "حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ" کی آگہی پر توجہ رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

دل میں دنیا کی محبت میں اپنے دل کو گروی نہ رکھ تم نے جو اس سے عہد کر رکھا ہے اسے فوراً توڑ ڈالو کہ اس کا وعدہ بہت جلدی ٹوٹ جاتا ہے اس کے عہد و میثاق کا رشتہ کچھ زیادہ محکم نہیں ہے۔ (۴۰)

ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انسان کے لئے اپنی روح و جان کی آیندہ منزلوں میں درپیش ہونے والے زاد راہ کی بھی سخت ضرورت ہے ایسے زاد راہ کہ جو اس لامتناہی سفر میں اسکی سب سے اہم ضرورت ہے اپنی بینش اور نقطہ نظر کے لحاظ سے ہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ موت ہر چیز کی انتہا

نہیں بلکہ اس دفتر و منشور کا آغاز ہے۔

انسان اپنی موت کے ذریعہ، ایک نہایت طویل و پیچیدہ راہ میں قدم رکھدیتا ہے ایسا راستہ، جسکی انتہا اس کی منزل ہوتی ہے اور اس طویل راہ کے لئے زادِ راہ نیکی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں اور اس زادِ راہ کا انتظام بھی اسی دنیا میں کرلینا ضروری ہے۔

اور ادیب کا پیغام یہ ہے: میاں! اس خوابِ غفلت کا سلسلہ کب تک عمر کے گرانبہا لمحات، بڑی سرعت سے گذر چکے اور اب اس زندگی کا آفتاب لبِ بام ہے، شب و روز کی کدال لگاتار تمھارے عمر کے محل کی بنیادوں پر پڑ رہی ہے۔

لہذا قبل اسکے کہ یہ محل، کمزور اور ویران ہو کر «خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا» کا مصداق ہوجائے کوئی راہ حل اور چارہ کار بھی تلاش کر، نیک بنو اور نیکی کرو کیونکہ نیکی اور نیک سیرتی سے زیادہ بہتر اور کوئی زادِ راہ نہیں ہے۔

نیک کام کی انجام دہی اور بدی سے پرہیز، ادیب کے پیغام ہے جو قیصر نامہ کے داستانوں کے مختلف، فراز و نشیب میں بار بار، نظروں سے گذرتے ہیں۔ اپنی گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے:

دنیا ایک حمام کی طرح ہے اور انسان کا وجود، اسمیں جانے والے ایک انسان کی طرح اس مثال میں ہوسرانی اور شیطانی عادتوں کی حیثیت اس انسان کے جسم پر موجود، گندے لباس اور میل کی سی ہے۔

کتنا اچھا ہو اگر ہم اس دنیا کے حمّام میں اپنے جسم سے گناہ کے گندے لباس کو اتار پھینکیں اور الٰہی توفیق کی مدد سے اپنے وجود پر، موجود گندگیوں اور آلودگیوں کو دھوڈالیں اب یہ وجود آلودگیوں سے پاک ہوگیا اب فرشتہ اسکے سامنے، سجدہ ریز ہوگا اور اولین خلقت کا قصہ آدم پھر سے دھرایا جائے گا.

مگر جیسا کہ پہلے ہی اشارہ گذر چکا ہے کہ: صرف تخلیہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے وجود کو فضائل سے مزّین اور زیور علم و عمل، صدق، اخلاص وتقوی سے آراستہ کرنا بھی ضروری ہے.

ت - وجود کو فضائل سے مزین کرنا (تحلیہ)

تحلیہ کے سلسلے میں ادیب نے کسب علم و دانش پر اعتماد کرتے ہوئے بہت زور دیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ: کونسا علم؟ وہ علم جس کے متعلق ادیب اپنے پند و نصیحت کے دوران، تاکید کرتے ہوئے اس کی تحصیل کے لئے سب کو ترغیب دیتے ہیں دنیوی عمرانیات کا علم ہرگز نہیں ہے.

اس مقام پر، ادیب کو دوسرے حکماء کی طرح، اس علم سے نفیاً و اثباتاً کوئی مطلب نہیں ہے جس کا مقصد، آسمان کی گہرائیوں میں پرواز اور زمین کی وسعتوں میں جدوجہد، اس خاکی ڈھانچے کو زیادہ سے زیادہ، آرام پہونچانے کے لئے مادی طبیعت پر مکمل تسلّط کرنا ہوتا ہے، عزیزۂ شکم اور

شہوت کی جاذبیت، آج کل کی طرح، انسانوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے تو یہ ایسے انسان کو دنیوی لذّات کے حصول کی طرف، راغب کرنے میں سینکڑوں حکماء اور پیغمبروں کا کام کرتی ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت حال میں رسولوں کو مبعوث کرنے اور کسی طرح کے وعظ و نصیحت کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی ہے (کیا ایسا نہیں کہ مغرب بغیر رہبر و دستور کے آج، تمام زمانوں سے زیادہ آسودہ خاطر و آرام سے ہے) البتّہ علوم معنوی کے مقابل، دنیوی عمرانیات کے علم کو سمجھتے ہوئے معقول حد تک اس کا حصول ضروری ہے۔

مگر ادیب نے لوگوں کو نصیحت کرتے وقت، اس علم کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا جس کے وصول کیلئے آج کل کے لوگ پوری تندھی سے جٹے ہیں بلکہ ادیب کے اشعار میں مختلف مقامات پر علم کے سلسلے میں آنے والی تاکید اساسی طور پر علم ہدایت اور خود ان لفظوں میں "دانش ایزدی" کے متعلق ہے۔

ادیب لوگوں کو ایسے علم کی طرف بلاتی ہیں جو انبیا کا اولین ہدف اور اولیا کا عطیہ ہو وہ علم جسکا مقصد، انسان کی پرورش راہ کمال سے آشنائی، نفس کی قید سے چھٹکارا اور لامکان کی فضاؤں کے بلندیوں پر پرواز کرنے کیلئے تیاری ہو۔

ہاں! یقیناً انھوں نے کبھی اس علم کو درخور اعتنا نہ جانا جو عمل سے الگ

اور عالم کی گردن میں طوق لعنت سے زیادہ بڑھ کر کچھ نہ ہوں۔ ان کا مقصد، ہمیشہ وہ علم رہا جو نیت، صدق، اخلاص و تقوی سے مزین ہو۔

اپنی مردہ جان کو علم سے زندہ کرو اور حضر خرد کے، ہاتھ سے زندگی و بقا کا جام لے لو! ص۳۴

بہار کی آمد پر تم ہمیشہ باغ میں رہو جہاں کہیں بھی پھول کھلے تم بلبل کی طرح پہونچ جاو۔

غنچے کی طرح سے تم اپنا خون جگر پیو لیکن پھولوں کے سامنے پھولوں کی طرح شگفتہ و شادر ہو۔

جس دل میں نالہ و زاری نہ ہو وہ مردہ ہے تم جب تک زندہ رہنا چاہتے ہو نالہ و فریاد کرتے رہو۔

اگر حضرت سلیمان نے دیو کو زندان میں قید کر دیا تھا تو تم بھی اپنے نفس کے دیو کو قید کر کے سلیمان بن جاؤ۔ ص۷

لوگوں پر علم و طاعت کا تسلط ہے اگر تجھے اپنا عرفان ہے تو علم و طاعت کو اپنا شعار بنا۔

جس طرح، مشاطہ دلہن کے جسم کو ریشمی کپڑے اور گردن اور کان کو موتیوں سے مزین کرتی ہے اسی طرح تم اپنی جان کو علم سے مزین کرو اور علم کو عمل کے ذریعے مزید زینت بخشو

نیلگوں آسمان کے تلے اور سیاہ خاک کے اوپر تم ابوذر

کی طرح رہو سچائی میں مشہور رہے۔

اگر تم دوزخ کا ایندھن نہیں بننا چاہئے تو جاہلوں سے پرہیز کرو، کسب دانش کرو اور نادانی کے پروں سے پرواز مت کرو۔ ص۵)

جہاں تک اس آدمی کی بلندی و منزلت کا سوال ہے جو عالم خلقت کا عظیم شاہکار اور منظومہ ہستی کا "بیت القصید" ہے تو ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ جہان طبیعت میں انسان سب سے زیادہ بلند و بالا ہے، جمادات و نباتات اور حیوانات، کشتزار ہستی ہیں اور انسان اس کا دانہ مگر تمام، آدمی اس لائق نہیں ہیں کہ ایک ہی صف میں بیٹھ سکیں۔

یہاں بھی جسکا دل نور دانش سے لبریز اور اسکی روشنی سے معمور ہوتا ہے اسکی حیثیت اس دانہ کے مغز کی سی ہوتی ہے اور بقیہ چھلکوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ:

جسطرح بدن کو غذا اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر وہ کمزور و لاغر ہوجاتا ہے اسیطرح، روح بھی غذا کی محتاج ہوتی ہے تاکہ وہ ہمیشہ تروتازہ رہے۔ جسم کی خوراک تو معلوم ہی ہے اور اگر تمھیں ابھی تک اسکا علم نہیں تو دنیا داروں اور تن پرستوں سے پوچھ لو تاکہ یہ لوگ تم سے لذیذ پھلوں اور بھنے ہوئے بچھڑے کے متعلق باتیں کریں مگر روح کی خوراک؟۔

جو شیئ روح کو وجد و نشاط بخشتی ہے اور اس کے لئے غذا وخوراک کا درجہ رکھتی ہے وہ ذکر و تسبیح حق ہے خصوصاً صبح کے وقت روح کی خوراک وہ نور ہے جو غیب کے پردوں سے دل پر چمکتا ہے۔

ہم عیسی علیہ السلام جیسی روح کے مالک ہیں ہماری
غذا بھی نور ہے اور ان مفت کے گدھوں سے چارہ جو اور
گھاس ہے۔

ہم طوطیان جان کیلئے "سبوح" صبوحی ہے اور ان بھک
مروں کو بھنا ہوا چھڑا چاہئے۔ ط ۲۶

سبوح سے مراد، خدا کا ذکر شریف "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" ہے شیخ عباس قمی قدس سرہ نے کتاب منتہی الآمال میں امام محمد باقر (ع) سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ط ۲۷

مرغ کی خلقت میں ایک فرشتہ موجود ہے جو اس کے پنجوں کو زمین کی گہرائیوں میں پروں کو ہوا میں اور گردن کو خدا کے عرش کے نیچے جھکاتا ہے جب آدھی رات گذر جاتی ہے تو وہ کہتا ہے "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ"۔

اور اس کے بعد یہ اضافہ کرتا ہے "لِيَقُمِ الْمُتَهَجِّدُونَ" نماز شب پڑھنے والو بیدار ہو جاو۔ اس وقت، مرغ بانگ دیتا ہے اس کے بعد، خدا کی مرضی کی تکمیل کے بعد وہ فرشتہ، خاموش ہو جاتا ہے اور پھر کہتا ہے:

"سبّوحٌ قدّوسٌ ربّنا الرّحمٰنُ لا إلٰه غیرہٗ لیقم الذّاکرون" خدا کو یاد کرنے والوں کو اٹھ جانا چاہئے۔ اور جب سپیدۂ سحر نمودار ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے:

"ربّنا الرّحمٰنُ لا إلٰه غیرہٗ لیقم الغافلون" غافلو! خواب سے اٹھ جاؤ۔

مرحوم شیخ عباس قمی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد، فرماتے ہیں:

"شاید اس فرشتہ کا ہر ذکر میں اس سے پہلے والے ذکر سے کم ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ: ذکروں کے وقت رات کے ایسے حصّہ میں بیدار ہونے والے متہجدین کیلئے جو عنایات و الطاف مخصوص ہوتے ہیں وہ دوسرے ذکر کے وقت بیدار ہونے والوں کو نہیں ملتے اور اسیطرح غافلین۔

ہر کسی کی روزی اسکی خوراک کے اعتبار سے رکھی گئی ہے
آسمانوں کی گردش اسی روزی کیلئے قائم کی گئی ہے۔

مرغان قدسی کی غذا کبوتروں کو دیے جانے والے دانے نہیں ہیں پرندوں کا جال، دانہ ہے اور دنیا کا جال، زرطلبی ہے۔

دنیا پرست شخص کو زرطلبی کے دام میں پرندوں کیطرح پھنسا لیا جاتا ہے۔

غیر دائمی حسن پر دل لگانا بیوقوفوں کا کام ہے، عارف تو اپنے دل کو دائمی حسن کا اسیر کرتے ہیں۔ مہم

یہ کائنات کی مخلوقات خداوند عالم کی عبادت سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتیں اسطرح کے تسبیح و تحلیل کے شور

وسترا بے میں ہم کیسے غافل رہ جائیں اور جمادات تک سے پیچھے رہ جائیں۔

ایک فلسفی نے کہا یہ آسمان اپنے وجود کی وجہ سے بے چون و چرا خالق کائنات کا سجدہ کر رہا ہے خدا کی عبادت میں اس پر کبھی غنودگی طاری نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہماری تمہاری طرح، غفلت میں نہیں ہے۔ ۴۹

تخلیہ و تحلیہ خود "تجلیہ" کے لئے راہیں ہموار کرتے ہیں تم اپنے روح کے گھر کو تہذیب کے ذریعہ، پاک و صاف کرو؛ دست دانش و تقوی کے ذریعہ، اس کے صحن میں فضیلتوں کے گل بوٹے لگاؤ اور پھر دیکھو کہ محبوب کے چہرے کو تمہارا وجود کسطرح آئینہ کے مانند اپنے اندر منعکس کرتا ہے کیونکہ وہ ازلی محبوب یکتا و سرمدی شمع ہے جو کسی روشن قندیل کی طرح گوناگوں آئینوں کے درمیان نیابت میں اولیاء کی ارواح پر چمکتی ہے اور اس سرمدی شمع کا حسین ترین جلوۂ انعکاس مولای کائنات حضرت علی علیہ السلام کے آئینہ وجود پر ہوا۔

شمع فروزاں تو یکتا و سرمد ہے لیکن آئینہ کے وجہ سے مختلف قندیلوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔

کبھی حضرت ابراہیم کبھی حضرت موسی اور کبھی حضرت شیث علیہم السلام کی شکل میں۔ ۵۰

اس سرمدی شمع کی جلوہ نمائیاں ہر جگہ بہتر ہیں
لیکن اسکے سب سے بہتر، جلوہ نمائی اس وقت نظر آتی
جب یہ شاہ مردان حضرت علی علیہ السلام کے پیکر میں نظر آتی
بشر کی ہدایت اور انسان کی سیر تکامل میں ان کا اہم کردار کیا ہے
اور اسکا وجود کیونکر ممکن ہوگا ؟ ۔

ث - راہ کمال کی طرف ہدایت میں انبیا کا اہم کردار

ہم نے دیکھا کہ انسانی وجود علوی و سفلی (افلاکی و خاکی) حصّوں سے تشکیل پاتا ہے: جسم خاکی اور آسمانی روح. جسم خاکی طبیعی تقاضوں، مادی اور حیوانی جبلتوں کی وجہ سے پستی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اپنے ساتھ ہی روح کو بھی خاکی بنانا چاہتا ہے مگر ذاتی طور سے روح، عالم بالا سے مانوس ہوتی ہے اور وہ جان سے طبیعت کی قید سے چھوٹ کر، خدا کی قربت کے سایہ کی طرف، پرواز کرنا چاہتی ہے ۔

لہذا روح بھی یہ چاہتی ہے کہ جسم تیز پا براق کی طرح اسے افلاک کی بلندیوں تک لے جائے، عالم قدسی کی سیر، روح کیلئے اسی وقت ممکن ہو گی جب وہ جسم خاکی کے پنجوں سے آزادی بلکہ اس پر غلبہ حاصل کرلے اور یہ آزادی اس وقت، حاصل ہوسکتی ہے جب جسم، دنیا کے آب و دانہ کی طرف توجہ نہ دے ۔

روزمرہ کے شور وشرابے سے دور ہوکر خود پہچانے اور دنیا پرستی کی سرحدوں کے پار نکل جائے رمزآفرینش مبدأ و معاد اور لامتناہی سفر پر، غور کرے، کل ملا کر اس خاکی جسم کو روح کے ہمراہ کرنے کیلئے ریاضت کرے، ان سب کے بغیر روح، کبھی سیر علوی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی وہ چیز جسمیں خرچ دمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی کون مایہ اور کیا خرچ ؟۔

اور وہ شئی ہمت حد درجہ ہمت و پریشانی چاہتا ہے اور وہ کبھی کیسی پریشانیاں اور کیسی تکلیفیں اور وہ جو عالم خاکی کے تقاضوں کے خلاف اور مادی طبیعت کی جاذبیت کے مخالف ہوتی ہے دنیا سے بے توجہی اور خاکی فرش سے بلند ہوکر افلاک کے وسعتوں کی طرف پڑتا ہے۔

ورنہ اس لمبی عمر میں زمیں ہی سے چپکے رہنا دنیا کے آب و گل کی پوجا کرتے رہنا اور صرف جسم کی آسایش کا خیال رکھتے ہوئے علوی حقایق سے دور رہنا تو کوئی ہنر نہیں ہے۔ حیوانی نفس تو ہر روز یہی چاہتا ہے اور افسوس کی بات ہے کہ ہم خاکی نوعی لحاظ سے ایسے ہی ہیں خاک کے اسیر اور گرفتار دنیا کے بولنے والے اور آخرت کے گونگے۔

اے انسان! تجھے تو کیا کیوں اور رکھنا کہنے کہ عادت تھی

عجیب بات ہے کہ تو پھر بھی دست و پابستہ پڑا ہوا ہے!۔

اگر تجھ سے سینکڑوں انبیاء آکر کہتے کہ تو اس قید سے

باہر آکر (معنویت کا) دودھ پی تو تجھے یقین نہ آتا۔

تجھے نہیں معلوم کہ اس دودھ کی لذت کیا ہے اس

دودھ پر، دایا کا کیا حق ہے ؟۔ ص۵۱

اسی وجہ سے تمام انبیاء واوصیاء علیہم السلام ایک کے بعد ایک آتے رہے اور اپنے پیغام کو بندوں تک پہونچانے کیلئے نہایت، پریشانیوں کا سامنا کرتے رہے تاکہ اس طرح کے غافل اور جسم کی قید میں مقید انسانوں کو اس سیاہ خاکی مقام سے بلائیں اور ان کے ساتھ دشت، کہسار، درختوں، چشموں، آسمان اور آزادی کے جھیلوں سے الگ ہوکر آفاق کی وسعتوں کے متعلق پرواز سے لیکر اوج آسمان تک کی گفتگو کریں تاکہ وہ اس چھ جہتوں سے بند قفس کی تاریکی و پریشانی کو یاد کریں اور اپنے پنجوں سے اس کے در و دیوار میں باہر کی طرف، ایک روزن کھول لیں اور اس وقت، ان کے دل، آفاق کی طرف پرواز کرنے لگیں گے۔

انبیاء کی ذمّہ داری

ایک طرف سے تو انبیاء کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ: وہ مادیت کے گرداب سے نجات اور باطل دور "کھانے کے لئے جینا اور جینے کیلئے کھانا یا استعمال کے لے پیداوار اور پیداوار کیلئے استعمال" کو توڑ دیں اور نفس امّارہ کے پنجوں سے روح کو نجات دلائیں تو دوسری طرف یہ بھی انھیں کی اہم ذمہ داریوں میں ہے کہ بشر کے وجود میں نہاں عظیم مرتبے کی طرف

اسکی ہدایت کریں اور اسے بتائیں کہ: اس کا دل، محبوب کا عرش اور دلدار کا فرش ہے اس کے ساتھی اس کے وجود کے بیکران سمندر میں موجود اس گوہر تابناک سے روشناس کرائیں جو وہاں رکھا ہوا ہے۔

انبیاء کی ذمہ داری کتنی تھکا دینے والی ہے! لوگوں کے مردہ دلوں اور روحوں میں زندگی کی لہر پھونکنا کتنا مشکل ہے! اور خواب غفلت میں ڈوبے بشر کی کمال حقیقی اور منزل فلاح کی طرف، ہدایت کا کام کتنا قیمتی اور مشکل ہے۔

میں جب تک اس دنیا سے آگاہ نہیں تھا، جانور کیطرح چرتا رہا لیکن اب جب کہ میں اسکی حقیقت سے آگاہ ہوگیا ہوں نوعبرت کی نشانی بن چکا ہوں۔

تو جام شراب میں چھوٹی کیطرح گر پڑا ہے تیری لالچی طبعیت ہمیشہ تجھے پرخطر اور معصیت کے راستے پر گامزن کردیتی ہے

اگر دنیا کی تاریکی شب کے بعد، سحر کا امکان نہ ہوتا تو انبیاء و اولیاء اس طرح سے فریاد کرتے۔

اگر تو نے قرآن مجید کی سورتوں کو مدتوں تک پڑھکر اس میں تفکر کیا ہو تو تجھے یہ معلوم ہوجائے گا کہ کس بنا پر، نوح پیغمبر (ع) اپنی قوم کے بے وقوف لوگوں کی سنگ بارانی میں بھی صبر و شکر سے کام لیتے تھے۔

حضرت نوح (ع) کی پند آمیز گفتگو انکی قوم کیلئے کسی بہترین جلوے سے کم نہ تھی۔

لیکن اسکے باوجود، قوم اژدہے کے مانند اپنا زہر آگیں دہان، حضرت نوح کی طرف، پھیلائے رہتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایسی آگ بھڑکائی گئی تھی جسکی وجہ سے کوئی پرندہ بھی اس کے اوپر سے نہیں اڑ سکتا تھا۔

حضرت ابراہیم نے کہا: "میں آگ کے شعلوں میں بھی خوش ہوں میں اپنے کو پھولوں کے بیچ پا رہا ہوں جب کہ تم آتش پرست لوگ، مجھے شعلہ و شرار کے درمیاں دیکھ رہے ہو"

وہ امتحان اور مصیبتوں کے زخم سہتے رہے مگر کبھی لب پر حرف شکایت نہیں لائے جسکے صلہ میں خدای رحمن کے رحم و کرم نے انھیں ایک پھول کی طرح، اٹھا لیا۔ ص۵۲

ادیب، آفاق کی سیر کو لازم بتانے اور عالم حس و ادراک میں الٰہی مخلوقات میں تامل اور خلقت کی شگفت انگیزیوں میں غور کرنے کو ضروری بتلاتے ہوئے تعلیمات انبیاء کی پیروی کو واجب سمجھنے کی طرف، اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ص۵۳

دنیا کے عجائب کو غور سے دیکھو اور اپنی آنکھوں کو "ما زاغ البصر" کے سرمہ سے روشن کرلو۔

بالکل اس کیڑے کی طرح جو دریا کی تہ میں جمی کائیوں
سے آزاد ہوکر بڑی جوش وخروش سے ادھر ادھر چل رہا
ہے مگر اس کا ٹھکانہ وہی تاریکی ہے۔

کبھی نیچے کبھی اوپر، کبھی دائیں طرف، کبھی بائیں طرف، اس
طرح دوڑ رہا ہے جیسے تاریک رات میں بچھو پھر رہا ہو
اتنی بھاگ دوڑ کے باوجود، سوائے اس سیاہ پانی اور
اس کے کالی ذرات کے اس کیڑے کو کچھ نظر نہ آیا اور وہ قفس
اور قفس فروشوں سے بے خبر رہتا ہے۔

یہی حال، اس تاریک گنبد (دنیا) میں رہنے والے لوگوں
کا بھی ہے۔

ہر ایک اپنے اپنے ترانوں میں مست ہے، گوئی فخر و تکبر کے
نشہ میں چور ہے تو کوئی عجب دریا کا نغمہ ورد کر رہا ہے۔

انبیاء کرام، آواز پر آواز دے کر اس سے بلندی کی طرف
بلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں:

کیوں پستیوں میں ڈوبے ہوئے ہو؟! کیوں نہیں زہرہ کی
طرح، آسمان کی بلندیوں پر چھا جاتے؟!

اے بحیروں! خوشحال اور آرام کی نیند سونے والے پرندوں

کیا تم چمن کی سرسبز و شاداب فضا اور گلشن کی خوشگوار ہوا کو بھول چکے ہو؟!

منقار اور پنجوں سے دیوار قفس میں سوراخ کر دو، خواہشات کے قفس کو توڑ دو، روح و جان کو پرِ پرواز عطا کر دو۔

اے پیارے فرزند! یہ تمام رنج و مصائب جیسے انبیاء برداشت کرتے چلے آئے۔

قفس خواہشات کی دیواروں کو گرا دینے کی وجہ سے انھیں حاصل ہوئی ہے۔

اس گنبد دنیا کے پنجے، رنج و غم، تاریکی و زخم کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اگر تجھے روشنی، خوراک اور خوشحالی چاہیے تو آخرت کی طرف، سفر کر جا۔

تیری طینت میں ایک دیو اور ایک فرشتہ موجود ہے: ایک تو تیری قابو میں ہے اور دوسرا غیظ و غضب سے پر ہے، ایک شرم و حیا والا ہے تو دوسرا جنگجو ہے۔

ایک کو عزت و وقار کی جستجو ہے تو دوسرا اپنے تیز دھار پنجوں سے جنگ کرنے کیلئے آمادہ ہے۔

ایک باعزت مرد ہے تو دوسرا بے مایہ مردار، ایک نوجوان

ہے تو دوسرا بوڑھا۔

دونوں ایک دوسرے پر غضبناک ہیں گویا مسلمان وکافر ساتھ ساتھ ہیں۔

ایک کی پکار یہ ہے کہ راہ عدل وانصاف کے علاوہ، کوئی دوسری راہ، اختیار نہ کرنا (میری دعا ہے کہ) اس دنیا میں ہمیشہ خدا تیرے مقصد کو پورا کرے۔

اس کینہ پرور، دنیا سے بچتے رہنا اور اپنے سینے میں سوائے نیکنامی کی خواہش کے اور کوئی تمنا نہ رکھنا۔

جوانمردی اور آزادگی کے علاوہ، کچھ نہ سوچنا اور اپنے جسم سے لالچی کو دور رکھنا۔

دوسرا کہہ رہا ہے: "بغض وکینہ کی راہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ، اختیار نہ کرنا؛ جس شخص سے بھی مڈبھیڑ ہو اس پر برتری جتانا۔

اگر کوئی تمھیں گیہوں (قرض) دے تو اسے جو لوٹاو اگر وہ بے بس ہو کر جو قبول کرنے پر تیار ہو جائے تو اس کو جو دینے میں بھی اتنی تاخیر کرو کہ جو کاٹنے کی فصل آجائے۔

اور جب جو بھی تیار ہو جائے تو یہ کہو کہ: ٹڈیوں نے فصل پر حملہ کر کے اسے برباد کر دیا ہے۔

اور پھر یوں کہو : نہ میرے خرمن میں جو تھا نہ ہی پال
بادشاہ کا خراج بھی میری گردن پر باقی ہے۔

اپنی زبان کو صرف جھوٹ بولنے کیلئے جنبش دو، اگر کوئی
تم سے دہی کی فرمائش کرے تو چھاچھ پیش کرو۔

خدا نے ہر زمانے میں نصیحت کرنے والے پیغمبر بھیجے ہیں تا
کہ وہ لوگوں کی رہبری کریں اور انھیں خدا پرستی کے ذریعے
سعادت کی راہ بتلائیں۔

پیغمبروں نے دانشمندی کے ساتھ، پیغام الٰہی کو لوگوں
تک پہنچایا؛ سلسلۂ رسالت اسی طرح کائنات میں چلتا رہا
کبھی پوشیدہ، کبھی آشکار۔

یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہر نیکی
کی کنجی دیکر دنیا میں بھیجا گیا وہ ایک ایسا آئین لیکر آئے جس
نے نیکی اور بدی کے درمیان کے فرق کو واضح کردیا۔

اگر تم اس آئین کو قبول کرلو گے تو نجات پا جاؤ گے ورنہ
تمھارا ٹھکانہ، جہنّم ہوگا۔

صدق دل سے اس دین کا پابند ہو جانے والا، زمانہ کا
حاکم بن سکتا ہے اور اس کے تمام امور میں رونق اور دلکشی
پیدا ہو جائے گی۔

اس آئین کو اپنی مشعل راہ ، بنانے والے کے سر
پر تاج شاہی جگمگائے گا ۔

کائنات ، برائیوں سے پاک ہو جائے گی اور آشفتگی
اور کینہ توزی ختم ہو جائے گی ۔ ۱۲۵

ج ۔ عقل اور الہی عشق سے اسکا تعلق

ادیب نے اپنے اشعار میں جگہ جگہ دو قسم کی عقل کے سلسلے میں اشارہ کرتے ہیں اور ان دونوں عقل کا تعلق، عشق الہی سے قرار دیتے ہیں ۔

پہلی قسم وہ عقل ہے جس میں طبیعت انسانی کی خیال بافی کا شائبہ ، پایا جاتا ہے وہ عقل خود وہم و گمان کی زنجیروں میں اسیر ہوتی ہے اسے بہتر الفاظ میں یوں کہا جاتا ہے :

وہ عقل جو وہم سے مخلوط اور خیالات سے مربوط ہوئی ہے وہ عقل جسکی آنکھ ، حقیقت کو دیکھنے کے قابل نہیں جسکی مقام ہوا و ہوس کے ہاتھوں میں ہے ، وہ عقل جو پست و بیہودہ خیالات اور مختلف اوہام کی بازیگری کا شکار ہے اور ذاتی احساسات و نفسیاتی خواہشات کی قید میں ہے ، وہ عقل جو تمدن وادب سے گری ہوئی دنیاوی آرزوں اور نفسانی خواہشوں کے ہمراہ صرف اپنے ذاتی فایدے سے اور مفاد کی تلاش میں سرگرم ہے جس کے قیاس و استدلال بھی کبھی اور ناعاقبت اندیشی سے خالی نہیں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایسی عقل ہے کہ جسکی قوت پرواز، بارگاہ قدس تک پہنچنے سے قاصر ہے اور کبھی بھی فضاے لامکان اور معراج انسانی کے تیز رفتار براق تک جو کہ اعلی علیین کی بلندیوں میں رواں دواں ہے، اس عقل کا مرغ پرواز پر نہیں مار سکتا۔

ایسی عقل جو ہوا و ہوس کا شکار رہے الہی عشق کے مقابل ایک لحظہ بھی تاب پایداری نہیں رکھتی اور میدان مقابلہ میں پہلی مڈبھیڑ ہی میں بے نیل مرام، راہ فرار اختیار کرلیتی ہے اس طرح کی عقل نے فقط امن و امان کی دائیوں کا دودھ پیا ہے۔

یہ کبھی شعلہ و شرارے اور بے خوف و خطر، خون و آتش میں کود جانے والی نہیں ہے۔ لہذا یہ دریا میں کود جانے اور آگ سے کھیلنے میں خطرہ محسوس کرتی ہے۔ یہ عقل، عافیت کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے اور اپنے فایدے و نقصان وہ بھی دنیاوی فایدے و نقصان کے علاوہ کچھ سوچتی ہی نہیں

جی ہاں! اس طرح کی عقل کا مقابلہ عشق سے ایسا ہی ہے کہ جیسا روئی کے گالے بھڑکتی آتش کے سامنے صف آرا ہو جائی اس تنگ نظر عقل کی نگاہ میں خورشید پر کمند ہمت پھیکنے والے وہ جوان ہمت بہادر جو اپنی بلند ہمتی اور اپنے فوائد و نقصانات کی حدود سے خارج ہو کر پندار کا خرمن کو بھڑکتے شعلوں نذر کردیتے ہیں دیوانے نظر آتے ہیں۔

یہ عقل درحقیقت، عقل نہیں ہے؛ اس لے کہ عقل، ذاتی طور پر ایک

روشن چراغ کا نام ہے ، بلکہ یہ وہم و خیالات کی ملاوٹ کا نام ہے یعنی وہم مخلوط .

جو عقل، خواہشات سے آزاد نہیں ہے وہ جہالت کی زنجیروں سے کبھی رہا نہیں ہو سکتی.

جو شعور ابھی نفسانی خواہشوں سے پاک نہیں ہوا ہے اس سے شعور نہ کہو کہ وہ آلودگی ہے.

ہاں! جب وہ ہوا و ہوس کو اپنے آپ سے دور کرے تب اسے عقل کہنا مناسب ہوگا. ۵۵

عشق اپنے دائرۂ معانی میں اس طرح کی عقل سے کبھی سازگار نہیں رہا اور ہمیشہ اس کے حکم پر خط بطلان کھینچتا رہا. اس تنگ نظر عقل کا دستور، اپنی منفعت کی فکر اور سودے بازی رہا ہے جب کہ عشق کا قانون، شراب و کباب رہا ہے عقل کی قیام گاہ زمیں کی گہرائیاں ہیں جب کہ عشق کے خیمہ، افلاک کی بلندیوں پر نصب ہیں.

ایسی عقل والا انسان اپنے جسم کے رنج و غم کی آگ میں سلگتا رہتا ہے لیکن عاشق اپنے معشوق کی ابروؤں کی کمان اور اس کے تیر مژگان سے لالہ وار غوطہ کی مانند اپنے خون میں غلطاں رہتا ہے اور اس خونی پیچ و تاب میں بھی خوش و خرم نظر آتا ہے.

جو چیز، وہم مخلوط کی نگاہ میں عشق کے لئے درد، زہر، ظلم، خطا، تلخی، سختی، کڑواہٹ اور بیماری سمجھی جاتی ہیں وہی چیزیں عشق کی عظیم منطق میں علاج، نوش، درستی، وفا، متھاس اور سلامتی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اب تک جو کچھ بھی ہم نے بیان کیا وہ سب ادیب کے مختلف اشعار کا نچوڑ تھا اب چند اشعار پر بھی توجہ کریں:

اے عشق! تو کس مملکت کا باسی ہے نہ تو تیرا تعلق عقل سے ہے نہ دین سے؟!

اگر میرے اوپر، تیرا ایک اور حملہ ہو جائے تو میری زندگی کی شام ہو جائے۔

اے عقل! تو مکڑی ہے، عنقا نہیں کہ مجھے اوج افلاک کی سیر کرائے؛ تیری تلقیں، نگاہوں کو حقیقت سے دور کراتی ہے۔

میں عشق کا بندہ ہوں اور ثریا کی بساط کے نیچے بھی رہتے ہوئے اس عشق کی آزادی پر آسودہ خاطر ہوں [۵۶]

طفل عشق اے سادہ لوحوں! خون آشام ہوتا ہے عاقبت کی دایا سے اس بچہ کو کوئی واسطہ نہیں۔

اگر عشق میں تیرے سر کا درد، زیادہ ہو جائے تو بھی شکر کر، اس لئے کہ دنیا کا عشق بھی سرسام [۵۷] کے علاوہ کچھ نہیں

تیری زلفوں کی کمند خاصیت میں ہما کے پروں کی طرح
ہے گویا اقلیم حسن کی بادشاہت تیرے لئے مخصوص ہو۔

عاشق کی مہار، دست جنوں میں ہوتی ہے اور عاقلوں
کی مہار، خواہشات نفسانی کے ہاتھوں میں۔

میں نے میقات عشق سے احرام باندھکر کعبہ کا طواف
کیا ہے اب ہر مقام، میرے لئے طائف اور کعبہ بن چکا ہے

درد عشق ہی میرا علاج ہے اسی کا زہر ہی میرے لئے خوراک
ہے اسکی غلطی صواب اور جفائیں وفا ہیں۔

تیری بات چل رہی تھی اور آب حیات، سن رہا تھا اور
اب شوق و شرم کی وجہ سے غم واندوہ میں مبتلا ہے۔

تو ابروؤں کو چڑھاکر بہت تلخ جواب دیتا ہے اور یہ سوچتا ہے
کہ: یہی ہمارے ارادوں کی زنجیریں ہیں۔

عمداً تلخ جواب نہ دے اور ترش روئی نہ اختیار کر؛ اس
لئے کہ تیری ہر تلخی ہمارے لئے شکر اور تیری ہر طرح کی
ترش روئی، شیرینی ہے۔

جس کے پیر میں اس کے عشق کے بیابانوں کا کانٹا چبھ جائے
اس کے وجود سے ہزاراں گل کھل اٹھے ہیں۔ ۵۸

دل، کچے انگور کی طرح تھا اور تیری زلفیں، انگور کی

بیلوں کی طرح یہ کچا انگور تجھ سے ملکر پک گیا۔

اگر ایک مدت تک تیری شاخ وجود سے میرے دل کو،
آویختہ نہ کر دیا جاتا تو بھلا یہ تلخی و ترشی، شیرینی میں کیسے
تبدیل ہوئی۔

تیری سحر آفرین آنکھوں کے غمزوں نے فلک کی بلندی سے
ناہید کو بھی اترنے پر مجبور کر دیا۔

کسی بھی یاقوت میں شکر کا ذائقہ نہیں ہوتا جز تیرے
یاقوتی قندلبوں کے آفرین وہ عشق کہ جس نے مجھے اے عقل تیری
سودا گر طبیعت سے آزاد کر دیا۔ ص۵۹

عقل وہمی اور ہوا و ہوس والی فکر، انبیا علیہم السلام کی آزادی بخش اور خواہشات کش تعلیمات سے ہمیشہ سرگرم مقابلہ رہی ہے جس کو ہم آیندہ آنے والی بحثوں میں مزید روشن کریں گے۔ اب ذرا آئے ادیب کے اشعار میں دوسری قسم کی عقل کے سلسلے میں بھی کچھ گفتگو کریں۔

دوسری قسم: عقل کی دوسری قسم "عقل مجرّد"، یا عقل خالص کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس عقل میں تخیلات اور اوہام کا شائبہ تک نہیں۔ پایا جاتا۔ یہ عقل، وحی الٰہی کے مانند ہے اس عقل کے مقابل میں وہم مخلوط ہے یعنی وہ عقل جسکا راہبر و راہنما، نفس امارہ ہوتا ہے۔

یہ عقل، ہوا و ہوس انسانی کی بڑی ہے خواہشات اور حیوانی آرزوؤں

کو سرکشی کرنے سے باز رکھتی ہے۔ یہی عقل وہ پہلی راہنما ہے جو انسان کو فلاح و بہبود کی منزلوں تک پہونچا دیتی ہے۔

یہ عقل وہم مخلوط کے برعکس، انسان کو فضائل و شرافت عقلی کی طرف، دعوت دیتی ہے اس عقل کی راہ شہوت رانی، شکم پرستی کے برخلاف ہے دنیا و مافیہا کی لالچ، خیمۂ عقل کو ویران کر دینا چاہتی ہے جب کہ عقل دنیاوی۔ خواہشات اور پست آرزوں کے منھ پر لگام لگا دیتی ہے جو انسانی کمالات کی راہ میں گامزن ہونا چاہتا ہے اور پستیوں سے نکل کر افلاک کی بلندیوں کو پا لینا چاہتا ہے۔

عقل مجرد، ایسے انسان کے لئے اس طرح، مددگار بن جاتی ہے کہ جسطرح ایک مہربان باپ، اپنے فرزند کو پروان چڑھاتا ہے پہلے گھر ہی میں تعلیم و آداب کے مقدمات سے آشنا کرتا ہے پھر اسکو ایک ماہر استاد کی نگرانی میں دے دیتا ہے اور اسکے بعد، علم و ادب کے ہر مرحلے میں اسکی تشویق کرتا رہتا ہے استاد کی تعلیمات کو سمجھے اور اسکے فرامین کو صحیح طور پر انجام دینے میں اپنے فرزند کی مدد کرتا ہے۔

جی ہاں! عقل مجرد، خالص عقل، خدا کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت اور دیگر اصول کے اثبات کے بعد، انسان کو ہمیشہ الٰہی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے اور انبیاء کے فرامین پر عمل کرنے کی تشویق کرتی ہے اور انسان کی علمی و ادبی زندگی میں رہنما و مددگار ہوتی ہے۔

ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ: انسان کی جان اور اسکی روح، اتنی عریض و وسیع ہے کہ دریای نیل کی وسعت بھی اسکی وسعت کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ صرف، فرعون کی سرزمین مصر میں یہی موسی و فرعون، سبطی و قبطی ایک دوسرے کے مقابل، صف آرا نہیں ہوئے بلکہ وجود انسانی میں بھی موسی و فرعون، نبرد آزما رہتے ہیں۔ اس نبرد آزمائی کے میدان میں عقل و خرد، موسی و فرعون، انسان کا نفس ہے انسان کے وجود میں، فضائل اخلاقی اگر سبطی ہے تو خواہشات نفسانی قبطی۔

موسوی عقل، قبطوی خواہشات سے مسلسل نبرد آزما ہے اور اس میدان میں موسوی عقل کا عصا علم و دانش ربانی ہے اور اس کے دو روشن ہاتھ، (ید بیضا)، تقوی و پاکدامنی ہیں۔ فرعونی خواہشات زندگی کے تمام مراحل میں موسوی عقل و خرد کے مقابل اپنے روپ، بدلتی رہتی ہیں اور آتش جنگ کو مزید بھڑکاتی رہتی ہیں:

کبھی تو مکر و فریب، حیلہ و بہانے سے اور کبھی لاپروائی اور بڑی بے باکی کے ساتھ میدان مقابلہ میں اتر آتی ہیں لیکن موسوی عقل، نفسانی خواہشات کے جادوؤں کو نگل جانے والے عصا اور تقوی و پاکدامنی کے ید بیضا سے فرعونی سپاہ کو کچل دیتی ہے اور بڑی اس سے رسوائی و زبونخالی کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

عقل ناقص (وہم مخلط) کا استدلال، نامکمل اور مغلوب ہے مگر عقل

خالص کے براہین، قاطع اور باطل شکن ہوتے ہیں یہ عقل ایسی خضر راہ ہے جو اپنے ہاتھوں میں آب حیات سے لبریز، جام سجائے ہوئے ہے۔

ان سب کے باوجود یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ عقل مجرد کی قوت پرواز جہاں پر ختم ہو جاتی ہے وہیں سے تعلیمات انبیا کی ابتدا ہوتی ہے اور اس عقل کی پرواز، معراج وحی اور عقل کل کی پرتو افشانیوں کے سامنے ہر طرح سے مستقل ہونے اور اپنے دائرے میں ایک بہترین مجاہد اور اچھی رہبر ہونے کے باوجود، راہوں کے پیچ وخم کی مکمل شناخت کے سلسلے میں ناتوان ہے لہذا ایسی صورت حال میں وحی کا سہارا لینے پر مجبور ہے۔

نتیجہ گفتگو یہ ہے کہ عقل مجرد نہ صرف یہ کہ عشق سے کوئی تعارض نہیں رکھتی بلکہ ہوا وہوس کی زنجیروں سے نجات پانے کے بعد، وحی والہام کے نور کی شعاعوں سے بہرہ مند ہونے کے بعد، یہی عقل مسلّم، عشق بن جاتی ہے اور اسی بنا پر یہ عشق جو سطح بین ومفاد پرست عقل کے مقابل ایک طرح کا جنون نظر آتا ہے عقل قدسی کہا جاتا ہے۔

میری عقل براق یعنی عقل قدسی کے سایہ میں آکے بیٹھ جا اگر تو سدرۃ المنتہی سے تازہ پھل چننا چاہتا ہے دم عیسی اور نور کی غذائیں درکار ہے۔

ہم طوطیاں جان کیلئے سبوح ہی صبوح ہے اور ان قحط زدہ جسموں کو بھنے ہوئے بچھڑے کا گوشت چاہئے۔ ص ۶۰

آئے اب ادیب کے چند اشعار کا تذکرہ کیا جائے جن میں انھوں نے غافل دنیا پرست اور خود غرض لوگوں سے خطاب کیا ہے :

تن پرستوں کی جانب سے فرشتہ نے اپنا منھ موڑ لیا ہے
تمھارا تن دیو ہے اور جان ، فرشتہ ، جس سے تم نیرنگی و حیلہ سے
تعبیر کر رہے ہو ۔

آیا جانتے ہو وہ کیا ہے اس سے حکمت عقلی کہتے ہیں اس
حدیث کو حضرت موسی (ع) نے حضرت ہارون سے فرمایا ہے
اور یہی بات ، پیغمبر اسلام (ص) نے بھی حضرت علی علیہم السلام
سے کہی تھی ،

اور عظیم فلسفی افلاطون کا بھی یہی کہنا تھا حکمت عقلی
آب حیات ہے جس سے روح و جان کو زندگی جاودانی
مل جاتی ہے ۔

جس طرح سے حضرت یوشع بن نون (ع) کی وہ مچھلی
جسکے پیٹ میں آپ مدتوں رہے ،

اگر تم یہ چاہتے ہو کہ حضرت خضر (ع) اپنی عمر دراز ،
تمھیں ہدیہ کردیں تو آؤ اس چشمۂ حیات سے حکمت عقلی
کو جام پی لو ۔ ص ۶۱

مجھے قوم حمیر کے بارے میں بلقیس کے فسانہ اور ملک سبا

کے نام کے علاوہ، کچھ یاد نہیں۔

مصر کی سرزمین اور دریای نیل وہی ہیں لیکن فرعون وموسی اور سبطی وقبطی کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔

اب میرے سامنے افسانہ مصر کی بات نہ چھیڑنا اگر تم واقعی عقلمند ہو تو خود اپنے اندر جھانک کر دیکھو تمھارے پیکر وجود میں بھی ایک مصر ہے جسکی قدر وقیمت کے مقابلے میں سرزمین مصر کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

تمھارے مصر میں بھی موسی وفرعون، سبطی وقبطی اپنا نشیمن بنائے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے برسرپیکار ہیں۔

تمھارے مصر کا موسی تمھاری عقل ہے اور فرعون تمھاری نفسانی خواہشات ہیں۔

فضائل سبطی اور رذائل قبطی ہیں وہ علم جو تمھیں خدا نے عطا کیا ہے تمھارے موسوی وجود کا عصا ہے۔

تمھاری پرہیزگاری وپاکدامنی ید وبیضا ہے تیرے مصر وجود میں بھی فرعون وموسی (ع) کی جنگ جاری ہے

جس طرح "فارس للیل" عمرو بن عبدود اور شیر خدا حیدر کرار کی جنگ ہوئی تھی کہیں پر ابوسفیان (معاویہ)

کی طرح اپنی فوج لیکر میدان میں اتر رہا ہے۔

توکہیں پیروائل (عمروعاص) کی طرح، اپنی دغابازی

کا بازار گرم کر رہا ہے۔ ٦٢

دیوان ادیب کے علاوہ، مثنوی قیصر نامہ میں بھی جگہ جگہ اس عقل مجرد کی تعریف کی گی ہے اور اسے حجت باطنی واستدلال قاطع کے مانند سمجھا گیا ہے اور اسکی مخالفت سے پرہیز کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

عقلمندی زنگ جہالت کو صفحۂ دل سے کھرچ دیتی ہے اور

اپنی شعلوں سے جہالت کے ناپختہ درختوں کو جلا کر راکھ کردیتی ہے

یہ عقل روح کو اپنے فرہنگ وثقافت کے قالب میں

ڈھال لیتی ہے اور اس میں اپنا رنگ بھر دیتی ہے۔ ٦٣

عقلمند تمام برائیوں سے دور رہتا ہے اس کے تمام

امور، عقل و بصیرت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ٦٤

جو شخص، عقل کے حکم کا تابع بن کر زندگی بسر کرے گا وہ

برے راستے پر نہیں ٹکے گا۔

عقل کے فروغ سے مردہ نفس بھی زندہ ہو جاتا ہے جس

طرح پردے پر بنے جانور میں اگر جان پھونک دی جائے تو

وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

زمانے میں تمام برائیوں کی جڑ جہالت ہے اور جہالت

سے بڑھکر کوئی زہر نہیں ۔

کائنات کے اندر کوئی بھی شخص، جہالت کی تلخی اور اس کے زہریلے پن سے زیادہ کوئی اور تلخی پیدا نہیں کر سکتا ۔ ص۶۵

تمام انسانوں کی رہنما دو چیزیں ہیں ایک انسان کے جسم کے اندر سے اسکی راہنمائی کرتی ہے دوسری باہر سے

باہری رہنما وہ مرد پاک نفس ہے جس سے پیغمبر و رسول، کہا جاتا ہے جو الٰہی فرمان، اپنی پاک زبان سے بیان کرتا ہے ۔

اور دوسرا رہنما اس کے وجود کے اندر وہ پاک پیغمبر اور بہترین رہنما ہے جس سے عقل کہتے ہیں ۔

تیرے جسم خاکی میں عقل ایک آزاد بادشاہ کی طرح ہے جو ہر سرکش و ستمگر سے جسکی سرشت میں ظلم و ستم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے برسر پیکار ہے ۔

عقل تجھے ہر برائی سے دور رکھتی ہے اور تیری خواہشات کے اونٹ کی مہار بھی اس کے قبضے میں ہے ۔ ص۶۶

خلاصہ یہ کہ عقل، ذاتی طور پر ایک روشن چراغ ہے اور اس اعتبار سے باطنی حجت ہے ۔ عقل وہ فانوس ہے جسکے نور سے گھر کے در و دیوار کی شناخت کی جاسکتی ہے؛ البتہ اس فانوس کا نور اتنا قوی نہیں ہے کہ خورشید کیطرح

تاریکیوں کو جلا کر، دن کو وجود بخشے۔

فانوس عقل کی اتنی سی روشنی کو بھی اندرونی و بیرونی دشمن یا تو خاموش کرنے پر تلے ہیں یا پھر اس فانوس عقل کو ایسا چراغ، بنا دینا چاہتے ہیں جو اسی مدھم چراغ عقل سے زیادہ بہتر مشعل ہدایت کو بجھانے کے کام آسکے۔

وہ چیز جو خورشید کی طرح، جہالت کی شب کے سیاہیوں کو مکمل طور پر فکر و احساس کے دائرہ سے خارج کر دیتی ہے اور اپنی سنہری شعاعوں سے ضمیر انسانی کے افق کو روشن کرتی ہے، چراغ دین اور دیانت ہے (اس شرط کے ساتھ کہ عقلا اس سے صحیح استفادہ کریں)۔

بہرحال، فانوس عقل اور دین کی نور افشانیوں سے استفادہ صرف اسی انسان سے مخصوص ہے جسکی آنکھوں کو ہوا و ہوس نے اندھا نہ کر دیا ہو اور اس کے پاس ایسی آنکھوں کا وجود ہو جو چراغ کی روشنی میں بہتر دیکھ سکے ورنہ عقل و دین کے دو منور چراغ، اندھے کے ہاتھوں میں ہوتے ہوئے بھی کوئی فایدہ نہیں پہونچا سکتے۔ ص۶۷

اب یہیں پر عقل کی بحث کا خاتمہ ہو جاتا ہے آئے اب عشق کے متعلق ادیب کے دل کی بات بھی سنیں:

ج ۔ حق سے عشق اور اسکا کردار

اس سے قبل، عقل کی تقسیم کی بحث میں عشق کے متعلق گفتگو کا آغاز ہو چکا ہے عشق قدسی و الٰہی وہ عشق کہ جسمیں معشوق کا حسن جمال دائمی ہوتا ہے نہ وہ عشق جو صرف معشوق کے رنگ و ابروے متعلق ہوتا ہے درحقیقت ایسا عشق، عشق کہے جانے کے قابل نہیں ہے بلکہ اسکا انجام، باعث عار و ننگ ہے۔

ادیب نے اپنے دیوان میں خاص کر غزلیات[ص۶۸] کے حصہ میں ہر جگہ عشق بخدا پر اعتماد کیا ہے اور تمام کمالات، خوش بختی اور کامیابی کے حصول کو عشق کا مرہون منت سمجھا ہے انھوں نے قیصر نامہ میں بھی جگہ جگہ عشق بہ خدا کے مطالب کو بیان کیا ہے۔

ادیب کی نظر میں عشق الٰہی کا سکہ دونوں عالم میں رائج ہے: عالم تکوین میں بھی قیمتی ہے اور عالم تشریع میں بھی ارزش رکھتا ہے جیسا کہ سماج کے سیاسی اور غیر سیاسی امور اور انکی اصلاح بغیر عشق اور بلند ہمتی کے ممکن نہیں ہے۔

اس وسیع و عریض کائنات پر نظر ڈالتے تو معلوم ہوگا کہ افلاک کی جنبش، عشق کی بدولت ہے حقیقت میں حرکت گردون، سوائے عشق کے کچھ نہیں ہے۔ حسن یعنی جمال حق و حقیقت کی جڑیں عشق کے پانی سے سیراب،

ہوتی ہیں وجود کی اصل بنیاد، عشق پر قائم ہے۔

افلاک کی گردش، چرخ کہن کا محور، ہمت عاشقان اور انکی دیدہ دلیری میں منحصر ہیں اور دوست (حق تعالی) کے کوچہ الطاف سے نسیم عاشقوں کو اپنی طرف، جذب کے رہتی ہے۔

بلکہ یوں کہا جائے کہ: کوے یار سے بہنے والی لطیف نسیم کا جھونکا، عاشقوں کے جان، شجر کی شاخوں سے ٹکرا رہتا ہے اور اس نوازش کا ہی نتیجہ ہے کہ عاشقان یار کا درخت وجود، موسم بہار میں سرسبز و شاداب ہونے والے درختوں کی طرح، ہرا بھرا اور بانشاط رہتا ہے مگر جو لوگ، عشق حق سے بیگانہ ہیں، ان کا نہال وجود، موسم خزاں کی زہریلی ہواؤں میں جھلسے ہوئے سوکھے اور بے ثمر درخت کے مانند ہے۔

ادیب زندگی کے ہر مرحلے میں اپنا آب و دانہ اور خورد و نوش دوست کے خون آشام منقار کا مرہون منت اور اس لطیف معنی کو فن کے اندر قانون بقا کا ایک رمز سمجھتے ہیں ان کی نگاہ میں عشق قدسی ایک ایسا دلربا مغناطیس یا دوسرے لفظوں میں ایک ایسا جادو ہے جو عاشق کے دل و دماغ سے اپنے وجود کی چاہت اور حب دنیا کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور روح و جان کو مادی زنجیروں سے رہا کر دیتا ہے۔

ادیب کا مجازی معشوقوں سے کوئی رابطہ نہیں وہ اس وسیع کائنات میں اپنے اس معشوق سے عشق کی جنگ میں مغلوب ہوئے ہیں جس کا وجود، تمام

نعمت اور کرامت کا سرچشمہ ہے ؛ ہر قسم کی حلاوت اور ملاحت اسکی ذات سے وابستہ ہے اگرچہ چاند میں خورشید کی کسبی روشنی ہے تو اس آفتاب عالم تاب کا نور بھی دوست کے چہرۂ پر نور کے سامنے دست احتیاج پھیلائے ہوئے ہے۔

دوست ایسا معشوق ہے جس کے آفتاب لطف وکرم کے سایے میں عاشقیں کے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور جو انکی کشتی حیات کا رخ ، پریشانیوں کی متلاطم امواج سے ساحل امن وامان کی طرف موڑ دیتا ہے۔

ادیب ، معشوق مطلق اور محبوب سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

تیرے زلفوں کی لڑایاں ، ہما کے پر جیسی ہیں اور تیرے
چہرے پر حسن ونگھار کی حکومت ، تیرے گیسوؤں سے ہے
جو لطافت و ملاحت ، تیرے رخسار میں موجود ہے اس
جیسی خوبصورتی کو کسی نے آج تک نہیں دیکھا !۔

اسکی صفت ، کس سے پوچھوں ؟ بھلا کون بتا سکتا ہے
ماہتاب کو خورشید سے ضیاء ملی ،۔

آفتاب چرخ کو بھی ایک دوسرے خورشید نے ضیاء بار کیا ہے اور وہ خورشید ضیا افگن ، تیرا رخسار ہے ۔

میں بچہ کبوتر کیطرح ، نادانی میں آشیانۂ شاہین کی طرف ،

نکل آیا اور اب اسی شاہین بال و پر کے سایے میں اپنی نشو و نما، پلے۔

مجھے آب و دانہ اور خوراک، اسی شاہین کے خونریز منقار سے ملتی ہے اگر تم نے یہ مقولہ سنا ہو تو رمز بقا فنا کے اندر ہے۔

اگر وہاں تم زندگی سے گذر و گے تو ایک چوزے سے بھی ڈر جاو گے لیکن کائنات میں عشق کی طبیعت، ہر طبیعت سے جداگانہ ہے۔

میری شاخ وجود پر، ہمہ وقت محبوب کی لطیف نسیم بہتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میں کبھی دائیں کبھی بائیں جھکتا رہتا ہوں۔

عشق کی چوگان میں افلاک سرگردان ہیں چونکہ میدان عشق، ناپیدا کنار ہے لہذا انکی سرگردانی اور آوارگی کی بھی کوئی حد نہیں۔

حسن اصل عشق ہے اور عشق، بنیادی وجود کی اصل جسطرح جلوۂ گل آواز ہے اور نغمہ بلبل صدا۔

بزم شمع میں سوائے پروانہ کے کسکو یہ دولت، نصیب ہوتی ہے کہ ذہنوں کو گلوں کے چاروں طرف چکر لگائے اور

رات میں جل جائے۔

زمانہ روز و شب کی آمد و رفت کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو پروانہ کے مانند، دن رات کو اسی طرح، بسر کر دینا ہی بہتر ہے۔

کوئی پرندے کے مانند کسی قفس میں بند ہے تو کوئی شیر کے مانند کسی زنجیر میں مقید ہے سوائے رند کے کون روز و شب کی قید سے آزاد ہے۔

رات تو اس کے لئے ہوتی ہے جس کا خورشید، اسکی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

ہمیں رات کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا اس لئے کہ ہماری آنکھوں میں ہمیشہ ہمارے محبوب کی روشنی جلوہ نما رہتی ہے۔

جب تک تو زمین پر ہے تیری سجدہ گاہ زمیں ہے البتہ جب تیری معراج ہو جائے، تب تیری سجدہ گاہ افلاک ہوں گے۔ ص ۶۹

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صرف عالم تکوین ہی میں نہیں بلکہ عالم تشریع میں بھی عشق الٰہی ایک کارساز کیمیا ہے ادیب کی نظر میں حوزۂ دین و دیانت میں بھی تمام چیزیں راہ عشق پر گامزن ہیں اور یہی عشق بخدا کل دین و شریعت ہے (اہل

الدین الا الحب)۔

انسانی ارتقاء اور تکامل کی بے نہایت راہ میں پہلا مرحلہ عشق بخدا اور ہر طرح کی خود خواہی اور خود غرضی کی قید سے آزاد ہوتا ہے عشق اگر جان ہے تو ایمان بدن عشق بھڑکتا شعلہ ہے تو ایمان عود کتنی خوش بخت ہیں وہ جانیں جو عود ایمان اور آتش عشق کے باوجود، ہمیشہ خوش وخرم اور بانشاط رہتی ہیں۔

اس عشق (عشق بحق جو کہ پاک اور آسمانی ہے) اور عقل (عقل مجرّد یا وہ عقل جو وہم وخیال اور قید وبند خواہشات نفسانی سے آزاد ہے) کہ درمیان کوئی تعارض نہیں ہے یہی عقل، حب نشو ونما کرتی ہے اور کمال تک پہونچتی ہے تو مکمل عشق بن جاتی ہے۔

شجر عشق کا ثمر سچائی، امانت داری اور خلوص ہے؛ عاشق کو ریاکاری شرک، نفاق اور انانیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ عشق ذوالفقار حیدری کی طرح، شرک والحاد کی جنگ میں فاتح وکامران لوٹتا ہے مگر اس بات پر بھی توجہ رہے کہ عاشق جو علامت رکھتا ہے وہ سوز وگداز، سعی و کوشش، درد وجاذبیت، آہ وناله، راز ونیاز ہے بے درد، کس طرح عاشق بن سکتے ہیں۔

اور آخری بات یہ کہ: حق کے عشق کا دعوی کرنے والے صرف وہی سچے ہیں جو خاتم انبیاء، کا فرمان بجالاتے ہوں حالانکہ عشق میں دعوے کی

چندان ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن پاک میں حکم موجود ہے "اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ" اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری (رسولخدا) اطاعت کرو خدا تمھیں دوست رکھے گا عقل جب نشو ونما پاتی ہے تو سراسر عشق بن جاتی ہے۔ یہ بات مجھ سے سن لو کہ اس سے کسی کتاب میں، نہیں پاؤ گے۔

امانت، خلوص اور سچائی عشق سے پیدا ہوتی ہیں
اور تزویر، شرک، ریاکاری کی پیداوار ہے۔

اب میں عشق کا ایک دوسرا مفہوم بتانے جارہا ہوں: اگر سننے والوں کے کان کہنے والے کی مدد کریں ایک لحظہ کیلئے اپنے دل کے کان کی ساری توانائی کو میرے دریچۂ ہوش کے سپرد کردو۔

تم سے بڑی منتوں کے ساتھ کہہ رہا ہوں: تم میرے دل کو ساغر عطا کرسکتے ہو۔

جب دل پر عشق کا غلبہ ہوجائے تو اس کائنات کو چھوڑ اپنی جان کو جان آفرین کے حوالے کردو۔

دیکھو کائنات میں اسطرح کی شگفتگی جب بھی سننے میں آئے تو یہ سمجھ لو کہ وہ عشق ہے اور دست حیدری کی طرح، سر بلند ہے۔

میں نے دیکھا کہ ہندو عورت، اپنے مردہ شوہر کی خاطر
بھڑکتے ہوئے آذری شعلوں میں کود پڑتی ہے۔
عشق مانند ذوالفقار حیدری، شرک وکفر والحاد کی گردنوں
کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔
ایمان، جسم کی مانند ہے اور عشق، روح کی طرح ہے
وہ دل، کتنا اچھا ہے جس کے اندر عشق وایمان اپنی جگہ
بنائے ہوئے ہیں۔
"وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا"، کی آیت پاک کو پھر سے پڑھو
تاکہ قرآنی عشق ومحبت کے رموز کو جان سکو۔
اگر تمھیں "ان کنتم تحبون اللہ"، کی قرآنی آیت یاد ہے تو
ساز عشق کو الزام تراشی کے شور وغل سے جدا سمجھ سکو گے
ایمان اور عشق، عود وآتش کی مانند، نشاط پیدا کرتے
ہیں کیا کہنا اس سعادتمند انسان کا جو عود وآتش کو اپنے
آتشکدۂ وجود میں اکٹھا رکھے ہوئے ہے۔
عاشق کا خمار، بادہ وشراب ہوتا ہے مگر کون سی شراب
آیا وہ تلخ وترش وسیال جو خیالات کو بھڑکاتا ہے اور جسکو ام
الخبائث کہنے والے حق بجانب ہے۔
جو خوشہ انگور اور دختر رز کی زائیدہ ہے نہیں ہرگز

نہیں بلکہ تو یہ وہ شراب ہے جو "طہور" ہے "رحیق مختوم" ہے
جو جام نور اور خم توحید سے نکالی گئی ہے۔

صہبای عشق، نور الٰہی سے بنائی گئی ہے خوشہ انگور
سے نہیں لہذا اسکا نشہ بھی کور دلوں پر نہیں ہوتا بلکہ اہل
بصیرت ہی اس کے نشے سے مست ہو سکتے ہیں۔

وہ شراب، عقل کو بیکار اور انسان کو حیوانوں کے
صف میں لاکر کھڑا کر دیتی ہے بلکہ حیوانوں سے بھی پست بنا
دیتی ہے۔

لیکن یہ شراب طہور، دیوار عقل و فکر کو مستحکم اور خانۂ علم
و خرد کو مزین کر دیتی ہے۔ ؎

اگر آدم ابو البشر فرشتوں کے مسجود، قرار پائے تو
صرف اس لئے کہ ان کا وجودِ خاکی اس شراب طہور سے
خمیر کیا گیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا وجود خاکی اس شراب سے
خمیر کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ ملائکہ ان کے آگے سر بسجود ہوئے اور
وہ ان کے مسجود، قرار پائے۔

کیونکہ ان کے خمیر میں نور یزداں کا راز پرورش پا رہا تھا
اس شراب سے مست ہو جاؤ اور اس کے نشے میں جسم کو ویرانہ

بنا دو.

کیونکہ نور علم وحکمت کا خزانہ، اس ویرانے کے ایک گوشے میں پنہاں ہے.

تیرے گنج جاں میں ہر سحر، خورشید کی طرح ایک خزانہ پیدا کردیتی ہے پھر تیرا تن خاکی اس خزانہ پر سانپ کی طرح، لپٹ جاتا ہے.

می عشق الہی تیرے بدن سے حرص، خواہشات اور حسد کو اسطرح باہر نکال دیتی ہے گویا اس نے ایک مضبوط رسی "حَبْلٌ مِنْ مَسَد" کے ذریعہ انھیں باندھ دیا ہو. ح ۱

اجتماعی اور سیاسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کے امور کی اصلاح محرومین اور مستضعفین کو قید وبند استعماری سے نجات، بلند ہمتی اور پائیداری کے بغیر ممکن نہیں اور یقیناً ہمت واستقامت کا سرچشمہ عشق ہے وہ عشق کہ جسکا معشوق کوئی اور نہیں ذات جمیل وجمال حق تعالی سبحانہ ہے اور وہ ہمت وپائیداری جسکا سلالہ ومحور، وجود مقدس انبیاء واوصیاء، بالخصوص خاتم انبیا حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. ح ۲

عشق کا ذکر اور اس کے تعجب خیز معجزوں کی شرح دیوان ادیب میں کثرت سے موجود ہے. ادیب کا کلام، جب بھی عشق وعاشق کے صفات بیان کرتا ہے تو اپنے اندر ایک نئی امنگ اور مختلف جذبہ ہوتا ہے.

مرحوم حاج میرزا آقاسی جو کہ عہد قاجار میں مشہور صدر اعظم تھے اپنے ایک قصیدہ کے مطلع میں اس طرح فرماتے ہیں: "ساقی بدہ رطل گران زان می کہ دہقان پرورد" ادیب نے اس مطلع کو بڑی دلگرمی کے ساتھ استقبال کیا اور ایک زبردست قصیدہ اسی وزن پر کہہ ڈالا جسکے پہلے حصہ میں عشق خدا کے آثار اور اس کے فوائد کا ذکر ہے.

اے ساقی! مجھے وہ شراب دے جس میں ایسے طاقت ہو جو پانی سے آگ کے شعلے پیدا کردے، اس می کو پینے سے اندر میں اتنی قوت آجاتی کہ وہ ملک سماتک ہوا سے بھی تیز رفتار پہنچ جاتا ہے اگر اس شراب کا ایک گھونٹ بھی گلے سے اترجائے تو روح کی قیمت بڑھ جائے.

اپنے پیرہن میں یوسف (ع) نے ایسی شراب چھپا کر، بھیجی تھی جسکی بو کو محسوس کرکے پیر کنعان جناب یعقوب (ع) دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے سراپا چشم ہو گئے تھے

ساقیا! ایسی شراب دے کہ جو آنکھوں کے درد اور سینے کی پیاس کو ختم کردے اور حزن وملال اور سوگوار گھر کو خوشیوں سے بھردے؛ ایسے شراب دے جس سے ہر تلخی شیرینی میں بدل جائے کفر، دین بن جائے جس کے کشت زار میں آکر گندم بویا جائے تو اس کا خوشہ، ثریا بن جائے.

یہ شراب ، رند کو بغیر کسی واسطے کے خاک زمین سے عرش آسمان پر پہنچا سکتی ہے اور اسطرح بغیر درمیانی مراحل طے کئے ہوئے وہ آسمان کی بلندیوں کو چھو لے گا اور یوں برہان امکان کا ثبوت ، مفت میں حاصل ہو جائے گا۔

اگر اس شراب کا ایک گھونٹ ، اندھا پی لے تو وہ ستاروں کو شمار کر سکتا ہے اور اگر اس مئے کی صراحی کے پاس سے بہرا گذر جائے تو اسکے کان تیز ہو جائیں۔

اگر گونگا اسے چھکلے تو بولنے لگے ، اسکی زبان کی گرھیں کھل جائیں اور وہ فن سخن کا استاد اور فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل بن جائے۔

اگر اس شراب صبح کی خوشبو شورہ زار سے گذر جائے تو بہار کی کیفیت طاری ہو جائے اور رنگ برنگ پھولوں سے باغ مہک اٹھے اگر یہ شراب ، تمھیں پروانے کی طرح جلائیگی تو شمع کی طرح روشن بھی کر دے گی۔

یہ تمھیں عقلمندی اور ہوشیاری سکھائے گی ، مستی اور نشے کی پرورش اسے ممکن نہیں۔ یہ شراب تمھیں ہر قید سے آزاد کر دے گی اور حضرت اسماعیل (ع) کی طرح راہ دوست میں جان قربان کرنے پر آمادہ کر دے گی۔ ھ۳۱

ادیب کہ خود بھی شعلہ عشق قدسی میں جل رہے تھے کہتے ہیں:

میں اس میخانے کا رند ہوں، میں اس پیمانے کی شراب

میں اس کاشانے کا شیدائی ہوں جس کی بنیاد عشق پر قائم

اس کائنات کا وجود، عشق کے فیض سے ہے عشق ہی اسکی جڑ، عشق ہی اسکی بنیاد ہے، عشق ہی اسکے گشاد و بست کا مالک ہے گویا اسکے پاس "اَسْمَاءِ حُسْنیٰ" ہے۔

عشق، آفتاب ہے؛ زمیں جلوہ گاہ خورشید، عشق، حق ہے اور گیتی جھوٹ، عشق دودھ ہے باقی ساری چیزیں چھاچھ ہے کہ ان کا مبدأ، عشق ہی ہے۔

جو شخص عشق سے خوش نہ ہو اسکی صبح بھی رات کی طرح ہو جائے گی، اسکی شراب زہرآلود اور اسکی پناہگاہ سانپ کا منھ ہو جائے۔

ہر لاعلاج درد و غم سے اسی عشق سے شفا پائی ہے اور اسی عشق کے ذریعہ، زال نے منقار عنقا کو حاصل کر لیا ہے (زال و سیمرغ کی داستان کی طرف اشارہ ہے)۔ (۲۷)

ح۔ پیغمبر اور ائمہ علیہم السلام سے عشق

عشق بر حق سے عشق بہ صالحان و خاصان خدا جدا نہیں ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص، کسی کو پرستش کی حد تک چاہتا ہو مگر جس میں اسکے معشوق کی خو و بو، اخلاق اور عادات، پائے جاتے ہوں اسی سے بالکل ہی بے اعتنائی برتے مجنون کی مثال سامنے موجود ہے وہ لیلی کے در و دیوار کو اس لئے بوسے دیتا تھا کہ وہ لیلی سے منسوب تھیں اور یہ بوسے پر اپنی زبان حال پر یہ ترانہ جاری رکھتا تھا کہ:

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ سَلْمٰی   اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدَارَ
وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ   وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَ[۵]

میں سلمی کے شہر سے گذر رہا ہوں کبھی اس دیوار کو تو کبھی اس دیوار کو چوم رہا ہوں، یہ خیال نہ ہونے پائے کہ میں شہر کی محبت میں دلباختہ ہو نہیں بلکہ اس شہر میں رہنے والی پر فریفتہ ہو۔

اگر اشعار ادیب میں جگہ جگہ پر تعشق و محبت رسول خدا و اہلبیت اطہار علیہم السلام کے متعلق اشعار پائے جاتے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی، گنجائش نہیں ہے۔ اب ان کے کلام کو "وخشور والاتر"، یعنی حضرت محمد بن عبد اللہ (ص)، میں اور آپ کی سنت طیبہ کے متعلق، اس سے قبل متعدد دفعہ پڑھ چکے ہیں اور ادیب کا فصاحت و بلاغت سے لبریز وہ شعر، اب بھی ہمارے

کانوں میں گونج رہا ہے:

اے بیٹا! شریعت و سنت پیغمبر اسلام کو اختیار کرو کیونکہ
آپ کی سیرت و سنت، طاؤس بہشت کی طرح خوبصورت ہے

ادیب کو یہ فخر ہے کہ ان کا سلسلۂ خاندانی اور نسب گرامی خاندان عصمت و طہارت سے ملتا ہے سیہ دستار سیادت (کالا عمامہ) اس اعتبار سے کہ یہ خاتم المرسلین (ص) سے انتساب کی علامت ہے۔

ادیب، اس عمامہ کو افسر اسکندری پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ نے حیدر کرار حضرت علی (ع)، کے ذکر کو کوثر اور آپ کی محبت کو تمام مشکلات اور مصائب معنوی کیلئے مرہم سمجھے ہیں۔ مولا کا نام لئے بغیر ان کا خنجر کبھی قلم نہیں تراشا اور مولا کے فضائل کے ذکر کے بغیر زبان سے شعر نہیں نکلتے۔

ادیب نے سر و گردن سے گرد یتیمی کو حیدر کرار کے عشق کے آب زلال سے دھو ڈالا ہے اور آپ کے لطف و کرم کی کرنوں سے افکار و خرد کی سینکڑوں قندیلیں ان کے وجود پر نور سے عالم امکان روشن کئے ہوئے ہیں۔

آپ کا بے تاب و بے قرار دل، سوائے کوئے حیدر کرار (ع)، کے کہیں آرام نہیں پاتا؛ آپ کی ماں نے (مہد علیا) کہ جن کا تعلق و حسب و نسب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ہے گویا ادیب کو صرف اسلئے جنا تھا کہ وہ حیدر کی محبت کا دم بھریں۔

اس سے قبل، ذکر کیا جا چکا ہے کہ: انبیاء اور اولیاء الٰہی در

حقیقت، نور وجمال خداوندی کے آئینہ دار ہیں اور الٰہی جلوے انھیں کی ذات میں منعکس ہوتے ہیں اس آئینہ کی سطح، جتنی صاف وشفاف ہوئی، دوست کے خوشگوار وخوبصورت جلوے اتنا ہی زیادہ منعکس ہونگے۔

یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ، الٰہی جلوے حضرت علی امیرالمومنین علیہ السلام کی ذات پاک میں جلوہ نما ہوئے اسلئے کہ آپ کا آئینہ انعکاس تمام اولیا واوصیا سے زیادہ صاف وشفاف رہا یہاں تک کہ قرآن پاک، آیۂ مبارکۂ مباہلہ میں آپ کی ذات والاصفات کو نفس نبی قرار دیا گیا۔

یہی وہ یگانہ روزگار چمکتی شمع ہے کہ جسکی قندیلیں ہر جگہ کو روشن کئے ہوئے ہیں۔

یہی شمع، حضرت ابراہیم اور حضرت موسی اور حضرت ہود وحضرت شیث اور کبھی حضرت نوح علیہم السلام بن کر ہر جگہ خوب صورت، دلھائی دیتی ہے۔

جب سمٹ کر پیکر حضرت علی علیہ السلام میں آگئی تو اسکی زیبائی کی انتہا نہیں رہتی۔

یا پھر فرماتے ہیں:

حضرت علی (ع)، کی یاد کوثر اور انکی محبت بہشت ہے اگر

تمھیں اس جنت کی خواہش ہے تو اس کوثر کے پاس آؤ

میری رگ وپے میں اسکی یاد سمائی ہوئی ہے اس لئے

مجھے ہر ساز میں اسی کا نغمہ سنائی دیتا ہے۔

اگر میں آپ کی مدح میں دفتر کے دفتر بھرتا رہوں تو

ان کے معانی یا قوت اور الفاظ مروارید سے بھی زیادہ خوب

صورت، نظر آئیں گے۔

شعر لکھنے کے لے مولا علی علیہ السلام کا نام بغیر، میرا

خنجر قلم نہیں تراشتا؛ میرے دیوان میں تمھیں انکی مدح کے علاوہ

کچھ نہیں ملے گا۔

اگر میرے دل میں بو تراب اور فرزندان بو تراب کی

محبت کے علاوہ، کسی اور کی محبت مل جائے تو میں کافر ہوں

آپ کے عشق ومحبت ہی میرے ماں اور باپ ہیں اس لئے

کبھی کوئی میرے سر پر گرد یتیمی نہیں دیکھ سکتا ص۷۶

دوسری جگہ پر ادیب، فرماتے ہیں:

میری ماں نے مجھے اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ میں اس

دنیا میں ان سے محبت کرو اور آپ کی ماں نے آپ کو اس لئے

پیدا کیا ہے تاکہ وہ میرے محبوب بنیں۔

میرا بے تاب دل، سوائے ان کے کوچے کے کہیں آرام نہیں

پاتا اگرچہ مجھے کہکشاں پر بھی پہونچا دیا جائے۔

اگر وہ قبول کرلیں تو ان کی غلامی میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ مجھے سنہرے محل میں حاکم بنا کر، تخت و تاج کا مالک بنا دیا جائے۔

میں گونگوں کی طرح اپنی زبان پر کلام روکے تھا ان کے شیریں جوابوں سے مجھے سخنور بنا دیا۔

عقل کی فوج لشکر، کینہ پرور عشق کے مقابلے میں آ نکلا مگر اس نے مجھے میدان جنگ میں بغیر لڑے ہی شکست دے دی۔

جو کچھ اہل تمدن و فرہنگ و ثقافت نے مجھے سکھایا تھا وہ بھول چکا ہوں سوا ے یار کی گفتگو کے جو مجھے ازبر، یاد ہے۔

اس کے خیال میں میرے وجود کے در و دیوار سے آفتاب گذر گیا اور میرا گھر ہر سمت سے مطلع خورشید بن گیا۔

شاباش اے میرے چابک دست، تیر انداز! ابھی ایک تیر، میرے دل کے پار بھی نہ ہو پایا تھا کہ تو نے دوسرا تیر چلا دیا۔

اگر میرے گلے کا انعام، وصال یار ہو تو اس سے کہدو کہ اپنا خنجر لے آئے اور میرا گلا کاٹ دے۔

آج کی رات میں اسکے جام وصال سے سرمست ہوں، مجھے تعجب ہے اور اپنی اس خوش قسمتی پر یقین نہیں آتا۔

میرے دل کے اندر سے فریاد اٹھی کہ: اے ادیب! راہ عشق میں اپنا سر دے دو اور اب میرے درد میں اضافہ نہ کرو۔

اگرچہ میری طبیعت کی ہر لڑکی حسین ہے مگر یہ نیک لڑکی ان میں سے زیادہ خوبصورت نکلی۔

اس نے پھر شرم کے باعث بڑی نرم آواز میں مجھ سے کہا: اے بابا! مجھے بدکردار شوہر سے بچائے رکھنا

اگر تم میرا نام، کسی نام کے ساتھ ملانا چاہو تو میرے نام کو بھی درخیبر اکھاڑنے والے کے نام کے ساتھ ملا کر، پکارو۔

اگر شاہ مردان، حضرت علی مرتضیٰ (ع) اپنی بارگاہ میں قبول کرلیں تو میرا وجود، بہشت کے پاکیزہ چہروں سے بھی برتر ہو جائے۔

اگر وہ مجھے اپنے در کی غلامی قبول کرلیں میں ان خاکیوں کی قوم سے آسمان کا بیٹا ہوں لہذا میرے برابر اور میرا ہمسر کوئی نہیں ہے۔

میں ان کا غلام رہوں یہ میرے لئے زیادہ بہتر اس کے مقابل میں کہ بہمن، اسفندیار اور طوس بن نوذر کو میری غلامی میں لایا جائے۔

اس کے آخر میں آپ فرماتے ہیں:

اے ناصبی! اے دشمن اہل بیت (ع) تیرا میرا کیا مقابلہ؟ افلح کا آغا تیرا ہے وہی تیرا مولا ہے اور قنبر کا مولا میرا۔

یہاں تک کے ادیب نے اپنی روان اور نثر صفت، زبان، مولا کے لطف وکرم سے حاصل کی تھی۔

بیان واقعہ: ادیب اپنے آپ کو عالم خواب ایک شب مولای کائنات (ع) کے حضور پاتے ہیں، اپنی اشکبار آنکھوں سے بارگاہ علوی کی خاک کو دھو ڈالتے ہیں مولا کا لطف وکرم آپ پر ہوتا ہے اور سحر بیان، قوت گویائی کی حامل ہوجاتی ہے!۔

قابل غور بات یہ ہے کہ: علامہ شیخ جعفر تستری کے خواب کی طرح ادیب اور مولا (ع) کے درمیان واسطہ تھا، وہاں امام حسین علیہ السلام کے فدائی جناب حبیب بن مظاہر، واسطہ ہے تھے اور یہاں مولا (ع)، کے خاص الخاص صحابی، تاریخ کے بزرگترین انقلابی اور حامیان سقیفہ پر کھلم کھلا یورش کرنے والے مجاہد، ابوذر غفاری واسطہ تھے اور مولا کے حکم

ے ادیب کے سینے سے اپنا سینہ مس کر دیتے ہیں۔

ایک رات خواب میں، میں نے اس شعلے کو دیکھا
میری خوش قسمتی نے مجھے ان کے حضور پہونچا دیا۔
میں نے جیسے ہی ان کے سامنے اپنی بھیگی آنکھوں زمیں
پر رگڑا، تبھی جناب ابوذر نے ان کے حکم کے مطابق، اپنے سینے
سے میرا سینہ رگڑ دیا۔

میرا نطق تکلف سے دور ہو کر اتنا رواں ہو گیا کہ خطابت
کیلئے 'میرے منبر کے پایوں کو آسمان چاہیے'۔
اور آگے 'چل کر اس قصیدے کے ایک شعر میں اپنی ابنائے روز
گار سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

اگر ابنائے زمانے مجھے پہچان بھی لیں تو مجھے کوئی دڑ نہیں
اس لئے کہ میرے سر پر، حیدر کرار کا مبارک سایہ کافی ہے"

مدح مولائی کائنات کے بعد، ادیب کے دیوان میں اکثر، غزلیات و
اشعار، سلطان عصر، امام زمان عجل اللہ تعالی فرجہ کی مدح میں ملتے ہیں
ادیب کے اشعار کی روشنی میں وجود مقدس حضرت مہدی قلب عالم امکان
اور بزم وجود میں شمع روشن ہے اور ستارے آپ کے اردگرد، پروانے
کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت (ع) کی ذات، آب حیات و مایۂ زندگانی مخلوقات ہے

اور ہم سب انکی ذات والا کے فیض سے زندہ ہیں، وہ جان ہیں اور کائنات ان کا پیکر۔

ان کی اجازت کے بغیر، کوئی پودا بار آور نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی کوئی گھاس زمیں پر اُگ سکتی ہے اور نہ ہی قطرۂ آب دریا کہ دل میں درشہوار بن سکتا ہے؛ آسمان کی بارش، زمین کی شادابی اور رات دن کا سلسلہ، سب کچھ آپ ہی کے وجود کی برکت سے ہے۔

گذشتہ تمام انبیا اپنے معجزات کے ساتھ جو کچھ درس حیات دے کر چلے گئے۔ انھوں نے وہ آپ کے مکتب سے حاصل کیا تھا، حضرت مہدی (ع) تمام انبیا واولیا کے وجود کے نچوڑ ہیں۔

سلیمان پیغمبر (ع) جس انگشتری سے اپنے زمانے کے شریر و بدکار راہنماؤں کو قیامت تک کے لئے پست کر گئے وہ انگشتری آپ کی نہیں تھی یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ حضرت مہدی (ع) خود تو پردے میں ہیں مگر انکی علامتیں اور آثار، اس کائنات کے ذرے ذرے سے آشکار ہیں یقیناً آپ ذات الٰہی کی ایک بہترین نشانی ہیں۔

اس وقت درخت پربار محمدی (ص)، کی جڑ حضرت مہدی (ع)، کی ذات ہے جسطرح صدر اسلام میں مسلمانوں نے دست بیعت، وجود مقدس رسول خدا (ص)، کے ہاتھوں میں دیا تھا اسی طرح اس زمانہ میں آپ کے ہاتھوں میں دینا چاہیئے۔ جن لوگوں نے اپنا ناتا محمد وآل محمد (ع)

سے توڑ لیا ہے وہ یقیناً دجال کی اولاد ہیں۔

ادیب کا دامنِ دل، آپ کے وجود پرنور کے ہجر میں اپنے ہی وجود سے دست بہ گریبان ہے۔ مہدی کے اندوہناک ہجران کے قافلہ جب پہنچتے ہیں تو ادیب کا دل، استقبال کو آگے بڑھتا ہے اور درد کے آنسو بہاتا ہے۔

ادیب نے اس دنیا کے عیش و آرام کو اپنے اوپر، حرام کر رکھا ہے اس لئے کہ یہ زمانہ، دوست سے جدائی کا زمانہ ہے اور دلدار کا رخ، آفتاب ابر فراق میں پنہان ہے۔

ادیب، عاشق ہے ایسے عاشق جو صدہا سال سے اس سلطان خوبان کے انتظار میں ہیں۔

اپنی بات کو اس بحث میں خلاصہ کردوں کہ: ادیب کے فخر کے لئے سب کچھ بس یہی ہے کہ وہ سلطان روزگار، حضرت امام مہدی علیہ السلام کے کمترین غلام ہیں اور یہی غلامی فخر کے لئے کافی ہے۔

ادیب نے حضرت امام عصر (ع) اور انکی ولایت مطلقہ اور الٰہی اقتدار کی توصیف میں ۱۶۵ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے؛ اس میں وہ زمانہ کی افراط کاریوں، تباہیوں اور فتنہ و فساد کی شکایت کرتے ہیں اور یوں گویا ہوتے ہیں:

غم میرے دل کا دامن گیر ہے اور میرا دل اسکے غم کا دامن
پکڑے ہوئے ہے دونوں مضبوطی سے ایک دوسرے میں اپنے،

پنجے پیوست کئے ہیں۔

جب اسکے غم کا قافلہ آتا ہے تو میرا دل، استقبال کے لئے آگے بڑھتا ہے اس لے کہ مجھے آنے والے کی زیارت کی جاتی ہے۔

یاد رہے: ادیب اپنے غم کی مقداریوں بتاتے ہیں:

اگر تو نے اپنی آنکھوں سے اتھاہ سمندر کا نظارہ نہ کیا ہو تو آجاو اور نصف شب کے اندھیرے میں میرے پہلو میں بیٹھ اور میری روتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ۔

اپنے دست مبارک سے اس صحیفۂ سیمیں پر، اس شخص کی عذر خواہی کو لکھدے جو کہ تیرے رخسار کو دیکھ کر اپنے دل و دین سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔

جیسا جادو تیری آنکھیں میرے دل پر پھونک جاتی ہیں ویسا سحر تو نرگس بھی اپنی خمار آلود آنکھوں سے نہ کرپائی

ادیب امام زمانہ کے عہد کی تمنا کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

اے کاش! مجھے وہ زمانہ نصیب ہو کہ جس میں ظلم وجور کے آشیانے جلا دے جائیں گے اور عدل وانصاف کا دور دورا ہوگا۔

اے دین و عدل کے آسمان! اے براقی ختم کرنے والے ستارے (اپنے) دیوانوں کے وجود میں بھی ایک چنگاری بھڑکا دو۔

تم ہی کشتی نجات اور نوح کی کشتی ہو! اپنی دھار دار تلوار سے تم طوفان نوح لے آو، وہ ذوالفقار جو تجھے اپنے بزرگوں سے میراث میں ملی ہے۔

جلد تو آو اس سے زمانے کے شراب خواروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ ص۶۹

اس کے علاوہ، ۹۵ بیت پر مشتمل ادیب کا اور ایک قصیدہ ہے جس سے انھوں نے مدح قائم آل محمد (ص) میں کہا تھا اور آپ (ع) کے جشن میلاد کے موقع پر "باغ سادات اخوی" میں پڑھا تھا۔ ص۸۰ اس کے چند اشعار کو ہم تبرکاً و تیمناً ذکر کر رہے ہیں:

کل تک میں یہ تمنا کر رہا تھا کہ ستارۂ ثریا اگر روز عید میرے قبضہ قدرت میں ہوتا تو میں اس مبارک کہکشان کو اپنے ہاتھوں سے نچھاور کرتا اور لوگوں کو فیض پہنچاتا۔

میں بھی اسی فکر میں تھا کہ عقل بول پڑی: اے نادان اے الطاف پروردگار سے بے خبر! تجھے کیا ہو گیا ہے؟!

تجھے پروردگار نے اپنے لطف و کرم سے مشتری جیسی لطیف

طبع اور کہکشاں کی مانند، اشعار عطا کے ہیں،

تیرے لئے آسمان سے کوئی چیز، طلب کرنا مناسب نہیں ہے

تیرے پاس خود ایک دوسرے آسمان جود وسخا سا عطیہ

یعنی سخن پردازی موجود ہے،

جیسے ہی اس بات کو میں نے عقل سے سنا، میں نے اس

کا شکریہ ادا کیا پھر کیا تھا میں غواصوں کی طرح، اپنے بحر

طبعیت میں غوطہ زن ہوگیا تاکہ گرانمایہ اور بیش بہا موتیوں

کو حاصل کروں،

اب جو اپنی طبعیت کے اتھاہ سمندر میں اترا تو کیا دیکھتا

ہوں کہ وہ اتنا وسیع وعریض ہے کہ دریا عدن اس کے ایک

حصہ میں سما سکتا ہے،

میں نے اپنے قلم فکر کو تراشا اور اپنے دفتر عقل وخرد

کو ہاتھوں میں لیکر خوشی خوشی روانہ ہوا جیسے باد صبا کے جھو

نکے سے چمن میں پھول جھومتا ہے،

درحقیقت یہ سلطان زمین وزمان، حضرت مہدی (ع)

کا فیض وکرم کہ میرا قلم، تاج کاوسی کی طرح، تابان اور

پرطاووس کی طرح، رنگین ہے،

طبعیت آپ ہی کے حکم سے رحم مادر میں جنین کو مرد یا زن

کی صورت میں لے آتی ہے ۔

آپ کے ارادہ کے بغیر، سمندر کی گہرائیوں میں نہ تو کوئی قطرہ، موتی بن سکتا ہے اور نہ ہی زمیں کی تہ میں کوئی پتھر، یا قوت بن سکتا ہے ۔

اگر راکھ کے ڈھیر کے پاس سے شمیم لطف امامت گذر جائے تو وہی راکھ، خالص عنبر بن جاتی ہے ۔

مبروص کو شفا، مادر زاد اندھے کو بینائی اور مردہ کو حیات بخشنے والے حضرت عیسی (ع) بھی تیرے صدقے میں ان صلاحیتوں کے مالک ہوئے ۔

مردوں میں جان پھونکنا انھوں نے تجھی ہی سے سیکھا تھا ۔

تیرا لطف وکرم، آفتاب کی مانند، ہر خشک و تر، ہموار و غیر ہموار زمیں، سب پر مساوی رہتا ہے ۔

لہذا اے انسان! اسی مبارک شجر وجود کے سایے میں دست غیب خداوندی پر بیعت کر اور "اویس قرنی" کے مانند "یؤمنون بالغیب" کا ترانہ، پڑھتے ہوئے ایمان لا ۔

وہ (ع)، حکم خدا سے ضرور، پردۂ غیبت میں ہیں لیکن تو ان کی غیر موجودگی میں اپنے آپ کو کج روی سے بچائے رکھو اور

قوم کی طرح ، گوسالہ پرستی میں مبتلا نہ ہو ۔

سمجھ لو کہ حضرت موسیٰ چند روز کیلئے طور سینا پر جلوہ گاہ حق کی طرف گئے تھے ۔

اے زمانے کے موسیٰ (ع) ! میقات طور سے شہر کی ، طرف پلٹ آ اور ظلم و فساد کے کارخانوں کو اپنے عصا سے توڑ دے ... ص۸۴

اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کے اثبات اور امام زمانہ کی ہزار سالہ زندگی کے متعلق جوابات پر مشتمل ایک دقیق و ظریف اور علمی و منطقی نکات سے سرشار بحث کے بعد ، ان چند اشعار کے ذریعے ، ادیب اپنے قصیدے کو حسن ختام بخشتے ہیں :

اے ذخیرۂ آفرینش ! اے جگر گوشۂ مصطفیٰ ! تو خود مصطفیٰ بھی ہے ، مرتضیٰ اور مجتبیٰ بھی ۔

چونکہ تیری مدح و ثنا کا حق ، رسول خدا (ص) ، ادا کر دیا ہے ، اب اس کے ان کی مدح و ثنا میں کسی کو بگو اس کرنے کی مجال نہیں ۔

ہماری زبان سے مدح حد بندی کر دیتی ہے اور تیری ذات کی حد بندی نہیں کی جا سکتی کیونکہ تیرا وطن ، حد امکان سے بہت ہے ۔

تیری محبت کی دولت میں نے اپنے وجود کے نہاں خانوں میں چھپا رکھا ہے تا روزِ محشر، اس دنیا کی طرح لوگوں سے پیچھے نہ جاؤں۔

تیری مدح و ثنا کا صلہ، تیری بارگاہ کے علاوہ، کہیں سے نہیں مل سکتا؛ اس لئے کہ میں تیرے علاوہ کسی اور کو صاحبِ احسان و کرم سمجھتا ہی نہیں۔ ۸۴۰

دوسری گلگشت

ادیب کے سیاسی اور ظلم و استبداد کے مخالف اشعار پر ایک نظر

میدان سیاست میں ضروری اور غیر ضروری امور

چونکہ ساری کائنات، خدا کی پیدا کی ہوئی ہے لہذا
اس کائنات کا پادشاہ بھی خدا کا بنایا ہوا ہونا چاہیے
خدائی خلیفہ کے علاوہ، سب حکمران، باطل ہیں، وہ
سب مٹی کی شمع کے پروانوں کی طرح ہیں۔

مقدّمہ

اس مقدمہ میں حکام عدل کے متعلق، مثبت و منفی صفات اور
میدان سیاست میں مناسب و غیر مناسب پہلوں کا ذکر ہوگا:
ادیب ایک عالم دین تھے اور انھوں نے اپنا یہ طرز زندگی، اپنے

اجداد طاہرین علیہم السلام سے حاصل کیا تھا وہ انسان کو خدا کا بندہ اور عبادت و بندگی کو رفعت و بلندی کا رمز، سمجھے تھے۔

ادیب، انانیت و خود پرستی سے جو کہ ان کے مذہب میں کفر تھی بہت دور تھے خود غرضی اور نفس پرستی سے ہمیشہ برسر پیکار رہے، چاہے سیاست خارجی کا میدان ہو یا سیاست داخلی کا۔

ہم یہاں ان کی سیاست داخلی پر ایک نظر ڈالیں گے اور سیاست خارجی سے متعلق، بیان اس کتاب کے دوسرے حصہ میں آیگا۔

عباس اقبال آشتیانی، ادیب پیشاوری اور کمال الملک غفاری اجو ایران کے مشہور و معروف، نقاش اور ادیب کے ہم عصر تھے) کے سلسلے میں اسطرح، رقم طراز ہیں:

«ہمارے ہم عصر دوستوں میں سے جن لوگوں نے ان دونوں بزرگوں کو نزدیک سے دیکھا ہے یا ان کے ساتھ رہے ہیں، ان کے دل و دماغ ان دونوں بزرگواروں کی بلندی فکر، عزت نفس، علو طبع، وطن پرستی کے بے شمار واقعات و حالات سے پُر ہیں۔

دنیا کی لذتوں سے بے اعتنائی، جان و مال کی طرف سے بے توجہی، حقیقت گوئی اور اپنے ضمیر سے اٹھنے والی آواز کو لوگوں کے کانوں تک پہونچانے کے معاملے میں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے کم نہ تھا۔ وہ صاحبان مال و مقام، جو کہ ادب و فروتنی کی حدوں سے خارج ہو جاتے تھے۔ یہ دونوں،

ایسے افراد کے ساتھ، نہایت سخت رویہ، اختیار کرتے تھے اور اس راہ میں جو ممکن ہوتا کر گذرتے تھے اور کسی چیز کی یا کسی شخص کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے"۔[1]

ہاں! ادیب کے سامنے جو بھی غرور و تکبّر کی بلندیوں پر چڑھنے کی کوشش کرتا وہ ان کے غضب کے تیروں کا نشانہ بن جاتا تھا وہ شخص چاہے استعمار کا "لارڈ" ہو یا کوئی اور عزّت دار شاہ، وزیر ہو یا خان مغل راجہ ہو یا مہاراجہ یا پھر پست و پسماندہ عناصر سے تعلق رکھنے والا غیر ملکوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہو۔

اور اس طرح کی ذلّت و خواری کے ساتھ، چاہ خیانت میں ہاتھ پیر مار رہا ہو یا مصلحین کے بھیس میں بے وقوف بنانے والا یا استعماری دیو پر فریفتہ کوئی ایسا بازیگر ہو جو دین و ملت کو بیچ کر کھانے کیلئے مختلف بہانے تراشتا ہو۔

ادیب اپنی زندگی کے تمام مراحل میں اس طرح کے افراد سے نہ صرف یہ کہ دور رہے بلکہ ہمیشہ، برد آزما رہے اور آپ کے اشعار، اول سے آخر تک اس امر کے مسلّم ثبوت ہیں۔

ہم ادیب کے ان شعلہ بیان اشعار کو جو انھوں نے استعمار کی لالچی نگاہ بالخصوص اس وقت کے بڑے شیطان (برطانیہ) کے اسرار کو فاش کرنے کے متعلق لکھے ہیں، اس کتاب کے دوسرے حصّہ میں ذکر کریں گے،

استعمار کے پانچوں ستون اور بے گانہ عمّال کے خطرات کے متعلق آپ کی اعتراض آمیز اور غفلت سوز فریاد کا بھی ذکر اسی حصہ میں ہوگا۔

فی الحال ہم یہاں پر ادیب کے ان اشعار کا ذکر کریں گے جن میں، انھوں نے اپنی پرانی روش کے مطابق، بلند و حکیمانہ، نیز تند و تیز لہجے میں استبداد فردی کو نشانہ بنایا ہے۔ اس باب میں ادیب نے دو طرح کے قدم اٹھائے ہیں:

۱- زمانہ کی بے وفائی، دنیاوی شان و شوکت، مادی عزت و جلال کی ناپایداری، اخلاقی اور مواعظ و نصیحت آمیز مباحث کے سلسلہ بیان حرص و غفلت، شکم پروری سے پرہیز، ارباب مال و منال کے سامنے اپنی عالی طبعی اور عزت کا اظہار، جیسے عنوان کا تذکرہ (جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پچھلی بحثوں میں گذر چکا ہے۔

۲- ایسے نکات کا بیان کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ اولا آدم، سب کے سب برابر و برادر ہیں؛ چاہے کوئی شاہ ہو یا فقیر، خواص میں سے یا عوام میں سے ہو؛ سب کی اصل ذات ایک ہے۔

معیار شرف و شخصیت، ظاہری مال و منال نہیں ہے بلکہ کمالات علمی اور معنوی، ہیں۔ حقیقی سلطان وہی شخص ہے چاہے پھٹے پرانے کپڑوں اور خالی ہاتھ کیوں نہ ہو۔ زمانے کا حاکم اور حقیقی بندۂ خدا ہے اور وہی جہل و ستم سے مردانگی کے ساتھ آزاد ہو کر دیں و آئیں کا پابند ہوتا ہے۔

اس بحث میں ان باتوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کس طرح، کسان اور تاجر پیشہ اور دیگر لوگ، روزانہ محنت کرتے ہیں اور زمانے کے ظالم تخت نشین ان کی محنت کی کمائی سے اپنے خزانے بھرتے ہیں۔ لہذا حقیقت پسند افراد، خدا کے بعد، ان محنتی وجفاکش لوگوں کے آقا و مالک ہیں نہ تخت نشین حکومت کے حاکم۔

اس کے علاوہ، ادیب نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ حاکموں کو اپنے تمام کاموں میں انصاف سے کام لیتے ہوئے ذاتی خواہشوں اور ہوس رانیوں سے دور رہنے کے ساتھ ساتھ ان چاپلوس افراد کی جادو بیانیوں سے بچنا چاہئے جو اپنی چاپلوسی سے پر باتوں کے ذریعہ، حاکموں کو آہستہ آہستہ، عدل وانصاف کی راہوں سے کوسوں دور کر کے پستی کی وادیوں میں ڈھکیل دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ ادیب ان غدّار حکمرانوں اور امرا پر نہایت غم و غصّے کے ساتھ، اعتراض کرتے ہیں جو اپنی غدّاریوں اور بے جا سکوت کے ذریعہ، غیر ملکی چوروں کو اپنے ملک میں تباہی و بربادی پھیلانے کے مواقع فراہم کرتے ہیں اور ظاہری بات ہے اس کے وجہ سے ان کا دل نہایت دکھی تھا۔

ادیب اپنے مشہور قصیدہ جو کہ آپ نے خاقانی شہرۂ آفاق اور عبرت انگیز قصیدہ "ہان اے دل عبرت بیں! از دیدہ نظر کن ہان"

کے وزن و قافیہ، کیا ہے، رضا شاہ پہلوی کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں:

> خدا نے اس کائنات کی بنیاد، رفت و آمد پر رکھی ہے اور اس کے ایوانوں پر دگرگونی و فنا کی مہر، لگا دی ہے۔ [۲]

ہم ذیل میں اس قصیدہ کے اہم نکات پر گفتگو کریں گے اور دوبارہ اپنی گفتگو کا آغاز، دنیا کی بے فائی اور بے اعتباری جیسے موضوع سے کریں گے اس لیے کہ ادیب نے بھی اپنے پاک وصاف، علمی قصیدہ میں انھیں، چیزوں کو مورد بحث قرار دیا ہے:

الف۔ مالک کائنات نے اس گیتی کی بنیاد، آنے، جانے، مرنے جینے جیسے اصولوں پر قائم کی ہے۔ لہذا اس کائنات کے وجود خاکی پر مُہر ناپائیداری ثبت ہے اور اگر بغور دیکھا جائے تو یہ دنیا دو لمحوں اور دو سانسوں سے زیادہ نہیں ہے؛ ایک لحظہ میں بوتا ہے دوسرے لحظہ میں فصل کو کاٹ لیتا ہے اور تمام عالم کی ساری آبادی، اس بونے اور کاٹنے سے ہے۔

پہلی سانس کی داستان، رونی کی داستان کے مانند ہے اور آخری لمحہ کی داستان بھڑکتی ہوئی آگ کے مانند ہے؛ ہر آنے والی سانس، گذر جانے والی سانس کے خرمن پر گرنے والی بھڑکتی آگ

کے مانند ہے۔

لہٰذا اگر ہمیں اور آپ کو اس دنیا میں چند لمحہ جینے کی مہلت دی گئی ہے تو ہمیں غفلت نہیں برتنا چاہئے اور اس دنیا کی لذتوں کے دھوکے میں نہیں آنا چاہئے کیونکہ یہ مہلت، تیز رو بادلوں کی طرح گذر جائے گی۔ یہ مہلت ہمیں دوسروں کے گذر جانے کے بعد، ملی ہے اور ہم بھی گذر جانے والے ہیں۔

جس طرح، حال و آیندہ کے لمحات کی بنیاد ہیں، گذشتہ لمحوں کے کھنڈروں پر استوار ہیں۔ مستقبل چوگان کے اس کھلاڑی کی طرح ہے جو گذشتہ کو گیند کی طرح، دروازۂ عدم میں بھیجتا رہتا ہے ٹھیک وہیں جہاں سے وہ پہلی بار آیا تھا۔

خالق کائنات نے آنے والی سانس بو کر گذشتہ سانس کی فصل، کاٹ دی ہے اور اسی بوے اور کاٹنے سے یہ دنیا آباد ہے۔

انسان کی پہلی سانس روئی کی طرح ہے تو دوسری سانس آگ کی طرح؛ اگر یہ روشن ہو جائے تو وہ جل کر خاک ہو جائے گی۔

پہلی سانس گیند کی طرح ہے اور دوسری چوگان کے کھلاڑی کی طرح، کہ اسکی ضربت سے وہ گیند، فنا کے گڑھے میں،

چلی جاتی ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ: ایک ماہر مصنف نے پہلا ایک خط لکھا اس کے بعد، اس پر خط بطلان کھینچ دیا۔

یقیناً اس کائنات کی بنیاد، حیات و مرگ پر ہے لہذا ہر دوسری سانس کو پہلی سانس کی موت، تصور کرنا چاہئے [ص ۳]

ب ـ اگر گردش ایام کی حقیقت، انھیں اصولوں پر قائم ہے تو پھر، اس ناپائیدار اور بے قرار، زمانے سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ باقی رہنے والی عزت اور ابدی جاہ وجلال بخشے گا، اور اس کے علاوہ بھی کیا اسی دنیا نے آج تک کسی ایک کو بھی حیات جاودانی عطا کی ہے کہ ہم اور آپ، اس کی توقع رکھیں۔

پ ـ جب یہ ثابت ہے کہ کائنات کی بنیاد پیدائش اور پھر، موت پر، قائم ہے اور ابدی زندگی کی ضمانت، کسی شخص کے لئے نہیں دی گئی ہے اس کے علاوہ، حوادث طبیعت کی روک تھام یا ان میں کمی زیادتی بھی ہمارے اور تمھارے اختیار میں نہیں ہے۔

تو ہمیں اپنے دفاع میں پڑی مختلف افکار کی گرہوں کو کھول کر دنیاوی نفع و نقصان پر افسوس نہ کرتے ہوئے اپنے آئندہ کا خیال رکھنا چاہیے اور وقت کا خیال کرنے والا بننا چاہئے (اس وقت کی طرح جو بادلوں کی سی تیز رفتاری سے گذر رہا ہے)۔

ہر سانس کو غنیمت شمار کرنا چاہئے اور نیکی و نیک رفتاری جو کہ انسان کیلئے ابدی سرمایۂ حیات ہے کے حصول کے لئے کمر ہمت باندھ لینا چاہئے اور اس جہان کو جو خود دفتر تکوین ہے خدا کی تصنیف سمجھیں اور اس کے صحیفہ کی اس آیت کو ہمیشہ نظر میں رکھنا چاہئے: (کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ) ۔[۴]

بقا اور حقیقی سعادت چاہتے ہو؛ تن پرستی کے تبکدہ سے باہر نکل آؤ اور بارگاہ قدس دوست پر سر نیاز خم کر دو؛ چشم بصیرت سے دیکھو تو سہی اس بارگاہ کے شبستان میں رحمان تیرے لئے اپنی آغوش پھیلائے ہوئے ہے۔

کل رات مجھ سے میری سانس نے کہا کہ میری حیات اتنی سی ہے کہ اگر میں ایک لمحہ میں زندہ ہوں تو دوسرے لمحے میں مر جاتی ہوں۔

میں قحط بقا کی شکار ہوں؛ مجھ پر آب بقا کی بارش نہیں ہو سکتی۔

میرے درد فنا کا کوئی علاج نہیں ہے میں کس سے امید رکھوں؟ کس سے دل لگاؤں؟ اب تو میں سوز ہجر میں جل رہی ہوں۔[۵]

اس مقدمے کے بعد، حکمرانوں کے لئے مناسب اور غیر مناسب صفات

کے متعلق کچھ گفتگو کریں گے.

حکمرانوں کو سیاست کے دوران، بعض صفات سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ دور رہنا چاہئے اور بعض دوسرے صفات سے ضرورت بھر استفادہ کرنا چاہیے.

سب سے پہلے ہم ان صفات کی طرف، اشارہ کریں جو حکمرانوں کے سقوط کا سبب اور عدل و انصاف کی راہوں میں رکاوٹ بن جاتے ہیں.

میدان سیاست کے لئے غیر مناسب صفات

الف۔ گھمنڈ اور تکبّر

تمام افراد بشر، اصل ذات اور خداداد فطرت کے اعتبار سے مساوی ہیں. اسطرح نہیں کہ کسی کی ذات و اصل کی گہرائیوں میں خالص سونا کوٹ کر بھر دیا گیا ہو اور کسی کے اصل و ذات میں ملاوٹی (ہاں استعداد کے لحاظ سے ان کے درمیان، تفاوت کا وجود ایک دوسری بحث ہے) جی ہاں! ظالمین و مظلومین دونوں کے درمیان، ذاتی اور فطری اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے.

لہذا ظالم حکمرانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ: ان کی انانیت کی ہوا طوفان بن کر خود انکی بنیاد کو اکھاڑ پھینکے گی اور ان کے دل و دماغ پر چھائی

کبر و نخوت، جاہ طلبی و ریا دطلبی کی گرمی بلا وجہ ہے۔

لہذا انھیں اس معاملے میں ہوشیار رہنا چاہیے اور یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ قوم عاد اپنی تمام تر سطوت و سلطنت کے باوجود، اپنی اسی انانیّت و نخوت کی وجہ سے خاک میں مل گئی اور اس دار ہستی سے دیار عدم کی طرف، کھینچ لے گئی۔

تمام بنی نوع انسان کو اصل وجود میں برابر سمجھو نہ وہ خالص سونے کا بنا ہے اور نہ تم سونے چاندی کے قالب میں ڈھالے گئے ہو۔

ظالموں کی سرکشی اور ان کی زیادہ روی سے ان کی عمر کا پلّہ راہ راست پر چلنے والوں کے پلّہ سے بھاری ہوگیا ہے۔

لیکن ظالم حکمرانوں کی یہی انانیّت انھیں لے ڈوبے گی اور ان کے قصر سطوت اور سلطنت کو چند ہی دنوں میں کھنڈر بنا دے گی۔ ٦

کبر و نخوت، واقعاً بہت بُری صفت ہے اگر حکمران لوگ اس سے آلودہ ہو گئے تو پھر دوسری آلودگیوں سے ملوّث ہونا ناگزیر ہو جائے گا محل کی چہار دیواری میں شاہوں کی گوشہ نشینی اور جھوٹریوں میں رہنے والے مظلوموں کی آہ و فریاد سے بے خبری، اسی نخوت کی، ایک

کڑی ہے۔

اس طرح کے کتنے ظلم و ستم اور بے عدالتیاں ہیں جو اسی ایک صفت کے چشمے سے پھوٹ پھوٹ کر اپنی راہیں بنالیتی ہیں۔ حاکموں یا دوسرے عالی رتبہ لوگوں کا سب سے پہلا ظلم دربان یا حاجب کا اپنے درباروں پر مقرر کرنا ہے۔ وہ اس طرح، مخلوق و رعیت پر، اپنا دروازہ بند کر لیتے ہیں۔

انوشیروان کے حسن کار (جیسا کہ تاریخوں میں مرقوم ہے اور سچ یا جھوٹ کی ذمہ داری راوی کے سر پر ہے) یہ تھا کہ ایک مدت تک حکومت کرنے کے بعد، شکارگاہ میں ایک ستمدیدہ بڑھیا کی شکایت، سن کر اس غلط رسم و رواج (دربان یا حاجب کا دروازے پر پہرا دینا) کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ختم کر دیا۔

حکمرانوں کو سختی کے ساتھ اس امر میں بنیادی فکر کرنا چاہئے کہ رعیت سے برابر، ملاقات کریں اور ان سے ملاقات کو آسان بنائیں تاکہ ان کے اور رعایا کے درمیان کوئی حائل نہ ہو سکے۔

رعایہ کے درد کو سننے کے لئے ان کی مشکلات کو آسان کرنے کے لئے کسی قسم کا کوئی حجاب درمیان میں نہیں ہونا چاہیے اور رعیت کے درد و شکایتوں کو سمجھنے کے لئے حتی دفتر والے بھی دخالت نہ کریں۔

کبر و نخوت اور غرور ہی کے نتیجہ میں حکمران یہ چاہتے ہیں کہ ڈرا

دھمکا کر یا لالچ دے کر دوسروں کو اپنی بارگاہ میں سجدہ ریز کرائیں جو بلند قامت سر، صرف اللہ کے سامنے جھکنے چاہئے یہ اسے اپنے سامنے جھکاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس طرح کے اعمال سے ان کی فرعونیت کا پتہ چلتا ہے خدا کی پرستش اور اسکی عبادت کرنے والوں کو بت پرستی اور بت تراشی کی طرف، مائل کرنا بالکل درست نہیں ہے۔

اے انسانو! اپنی پشت کو خم کرنا اور سر بہ سجود ہونا صرف خداوند متعال کے لئے مخصوص ہے۔

خدا کے علاوہ کسی کے لئے خم ہونا اور سجدہ کرنا بندے کے کفر کی علامت ہے۔

کسی شخص کے آگے نہ جھکو اور سر تسلیم کو خم نہ کرو؛ چاہئے سامنے والا، وقت کا پرویز یا جمشید ہی کیوں نہ ہو۔

کسی کیلئے تا حد رکوع خم نہ ہو کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ دین سے خارج ہونا ہے بلکہ کفر و بت پرستی ہے۔

اگر تمھارے خیال میں یہ بات گذرے کہ تمھارے سامنے کوئی تعظیم و تکریم کیلئے خم نہیں ہوا، تو یہ جان لو تمھارے دماغ میں فرعونی ہوا و ہوس، سرایت کر گئی ہے بلکہ تیرے اندر فرعونیت کے جراثیم موجود ہیں۔

جو شخص بھی اپنی اس روش و فکر پر خوش ہو وہ یہ

سمجھ لے کہ اپنے بت ہونے پر، شاد ماں ہے ۔

اور اسی طرح، جو اپنی اس سیرت پر، خوش ہے گویا

وہ اپنی فرعونیت پر خوش ہے

اس کے جسم میں، روح اہرمن حلول کر گئی ہے اور

اس کا چراغ زندگی، ظلم و ستم کے تیل سے روشن ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ: ایسے متکبر و بانخوت شخص کو

دریائے نیل میں غرق کر دینا ہی شایستہ ہے ؏

حکمرانوں کا کبر و غرور اور درباریوں کی تملق آمیز گفتگو پر رضایت

باعث بنتی ہے کہ نیک طبع اور صالح افراد جو ملک و ملت کی خدمت، اور

حکمرانوں کی اصلاح کرنے کا قصد رکھتے ہیں، جب وہ ایسی صورت حال کا

مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے اطراف سے ہٹ جاتے ہیں کیونکہ ان کی پاکیزہ

روح، ہرگز ایسی باتوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔

نتیجہ میں وہ حکومت اور سیاست کو ان چاپلوسوں کے سپرد کر دیتے ہیں

جن کا اولین مقصد، جاہ طلبی اور اپنی روزی روٹی کا انتظام ہوتا ہے ان

کی سوداگر عقلوں میں ان تمام چیزوں کا حصول، صرف زمینداروں کی ہاں

میں ہاں ملا کر دیہاتیوں کو لوٹنے کھسوٹنے کے ہی ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے

ہوشیار اے ظالم حاکمو! تاریخ کائنات کا پھر سے مطالعہ کرو اور

صاحبان سلطنت و شہنشاہیت کے ساتھ جو کچھ حادثات پیش آچکے ہیں،

ان سے عبرت حاصل کرو تکبر اور انانیت کو چھوڑ دو بالخصوص چاپلوسوں کی افسانہ بازی سے جو کہ اپنی نیرنگوں اور دروغ آمیز گفتگو سے کائنات کے قطب و محور کو تیرے قبضہ قدرت میں بتلاتے ہیں۔

خبردار رہو! ہوش میں آجاؤ کہ ہر شخص کے لئے خدا کی طرف سے ایک وقت معین ہے جب وہ وقت آجاتا ہے تو پرچم قسمت، سرنگون ہو جاتا ہے اور اس وقت کچھ بھی کام نہیں آتا۔

تو ذرا دربار میں منقش قالین پر بنے شیر پر غور کر جو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ جوش و خروش میں آجاتا ہے یاد رکھ وہ شیر ہرگز فلک کے لحظہ لحظہ، حملہ آور غراتے ہوئے شیر سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا۔

اگر عبرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہ سوچو کہ کل جو کبر و غرور میں ڈوبے انانیت کا ڈسکا بجا رہے تھے، آج خاک میں مل چکے ہیں۔

عبرت یہی تو ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کیا جائے جن کو مغرور و متکبر افراد بہ صد حسرت، دنیا میں چھوڑ گئے اور اپنے ساتھ نہ لے جا سکے۔

یاد رکھو! فلک کے شیر (موت) پر کوئی دوسرا شیر، حملے کی جرأت نہیں کر سکتا خصوصاً وہ شیر جو قالین پر منقش ہے یہ سب چاپلوسوں کی مبالغہ آرائیاں ہیں ورنہ کہاں

آسمانی دھنک (قوس وقزح)، اور کہاں تیری کمان؟

اے بادشاہ! اس طرح کی چاپلوسیوں سے ہوشیار رہ اور خود اپنی زبان کو بھی ان سب سے دور رکھ، غرور و نخوت سے اپنی داڑھی کو مت ہلا۔

جس وقت قسمت کا ستارہ، ڈوبنے لگے گا اس وقت، تیرا قوی ہیکل جسم اور مضبوط سر بھی کام نہیں آئے گا

پتھر جیسا سخت محکم سر موم کی طرح پگھل کر رہ جائے گا اور قوی ہیکل جسم بھی بآسانی گھل جائے گا۔ ۵۸

ب - لالچ اور حرص

لالچ بہت بڑی صفت ہے خاص طور سے صاحبان منصب ومقام کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور اس آفت سے دور رہنا چاہیے وہ حکمران جو دوسروں کے مال ومتاع پر لالچی نگاہ گڑائے رکھتے ہیں وہ انسان ہونے کے باوجود، اندر سے مردہ خور جانوروں کی طرح ہوتے ہیں۔

جہاں کہیں بھی تم کسی مظلوم کو دیکھو کہ وہ کسی ظالم کے ظلم کا نشانہ بنا ہے تو یقیناً ان میں سے ایک مردار خوار پرندہ (گدھ) ہے اور دوسرا سڑی گلی لاش۔

لہٰذا کبھی اس مردہ خور سے اپنے دل کو وابستہ نہ کرنا ،

چاہے تو چین کا حکمران بن جائے یا ترکی کا۔

اگر عدل وانصاف کے راستے سے ہٹ گیا ہے تو تو میرے

نزدیک، کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو مردار خور جانور ہے

تو مردوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور ان کا گوشت کھاتا ہے

لالچ وطمع کے اسیر کو کیسے امیر و بادشاہ کہا جا سکتا

ہے ہر طرح کی قید سے آزاد ہو اور بادشاہوں کی

طرح ، زندگی گذارو۔

دنیا کے لوگ ملکر اور ایک زبان ہو کر اگر کسی بندہ

کو بادشاہ کہنے لگیں تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جس طرح فلک پر چمکنے والا چاند کبھی کنوئیں سے نہیں

نکلتا چاہئے لوگ ہر وقت اسکی تمنا کرتے رہیں خدا

قیصر نامہ ان لالچی حکمرانوں کی سرزنش سے بھرا پڑا ہے جو کہ ملک

وملت کی خدمت ، ان کے جان ومال کی حفاظت کے بجائے بھیڑیوں

کی طرح ان کی جان ومال اور اسباب پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

ظلم اور تاریکی دونوں جڑواں پیدا ہوئیں ہیں

اور ان سے دنیا میں کہیں امان نہیں۔

ہاں ! جب آفتاب عدالت ، گیتی پر چمک اٹھے گا تو

ان دونوں بھیڑیوں (ظلم اور تاریکی) کی گردنوں پر عدل وانصاف کا خنجر پھیر دے گا۔

جو چرواہا اپنے گلّے کو بھیڑیے سے نہیں بچا سکتا
وہ یقیناً چرواہا نہیں جانوروں کا دشمن ہے۔[11]

پ - غصّہ و غضب

لوگوں کے مال واسباب کی لالچ کے علاوہ، غصّہ جو کہ مدار حق سے کوسوں دور ہوتا ہے، ظلم وجور کے اہم ترین اسباب میں سے ایک ہے۔ تاریخ کے بہت سے جرم انھیں زود گذر لمحات کا نتیجہ ہے جنھیں ارباب قدرت کے غصّہ کی آگ، درباریوں اور چاپلوسوں کی چغل خوری کے ایندھن سے شعلہ ور ہوتی اور تمام چیزوں کو جلا کر راکھ کر گئی اور جب ہوش آیا تو کوئی چارہ کا کام نہ آیا اور برباد شدہ جان ومال کی تلافی، دائرہ امکان سے خارج ہو جاتی ہے۔

ہنر بلکہ وظیفہ درباریوں کا ایسے اوقات میں یہ ہے: اگر نصیحت کے پانی سے حاکم کی بے جا آتش غضب کو بجھانے پر قادر نہ ہوں تو کم از کم اس حکم کی انجام دہی میں تھوڑی کوتاہی کر دیں۔

غصّہ، انسان کو راہ ادب سے دور کر دیتا ہے لھذا
اپنے آپ کو غیض و غصہ سے بچا کر رکھو۔

غصہ اور سخت روئی، انسان کی آنکھوں پر سیاہ پردہ ڈال دیتی ہے جسکی وجہ سے اس سے اچھی چیز بھی بڑی معلوم ہوتی ہے۔

غصہ، رعایہ پر، مہربانی اور شفقت کرنا بھلا دیتا ہے، روشن فکر انسان بھی غصہ کی آگ میں جل کر، کج فکر ہو جاتا ہے۔

غصہ ہر نیکی کا قبرستان ہے، سب سے زیادہ، نا پسند اور مذمت کے قابل وہ شخص ہے جو کہ غصہ و غضب میں آئے شخص کی اطاعت کرے۔ ۱۲

ت - رعیّت پر ظلم و تشدد

حکمرانوں اور مسند قدرت پر جلوہ افروز افراد کو چاہیے کہ نہ خود ظلم کریں نہ رعایہ کے امور کی باگ ڈور بھیڑیا صفت آدمیوں کے ہاتھ میں نہ دیں۔ بقول عباس میرزا جو کہ اپنے فرزند، محمد میرزا (محمد شاہ بعدی)، کو خط میں لکھتا ہے: "کسی مظلوم عاجز پر یا رعایا پر یا کسی نوکر یہ بھی جو ظلم و تجاوز ہوتا ہے اس کا ذمہ دار بادشاہ ہے، گویا ظلم اس نے کیا ہے..."۔ ۱۳

عقلمند آدمی کیلئے یہ بات باعث ننگ و عار ہے کہ وہ

ایک بے گناہ پر عرصۂ حیات، تنگ کرے اور اس پر ظلم کرے،

اسیطراح اگر وہ خود، ظلم نہ کرے مگر زمام امور، بھیڑیا صفت انسان کے حوالے کردے تو یہ بھی غلط ہے اور ایسے شخص کو عقلمند آدمی یا انسان نہیں بلکہ حیوان سمجھتے ہیں[۱۴]

ظلم کسی بھی عنوان سے ہو بُرا ہوتا ہے اور ظالم کی مذمت و سرزنش کا باعث ہوتا ہے حاکموں کے ظلم کی مذمت، ظلم سے پرہیز اور ظالموں کے بُری انجام کی مختلف داستان اور نکات، بیان کے جا چکے ہیں،

پھر بھی یہ تاکید و تکرار کرتے ہیں کہ: ظالموں کو جان جانا چاہیے کہ رعایا پر ظلم و ستم کی سزا اسی جہان میں مل جائے گی اور یہ ظلم و ستم، آندھی کے مانند ہے خود انکی بنیاد کو بہت جلد اکھاڑ پھینکے گی تاکہ یہاں کے بعد، اس جہان میں جو کہ اصلی سزا کی جگہ ہے، پہونچ جائے اور وہاں کیا سزا ملے گی؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے،

جس گائے کہ دودھ سے فریدون جوان ہوا تھا اس کے قتل کا انجام، ضحاک کی حکومت کے زوال پر ہوا اسیطرح، قوم ثمود جب ان کا ہاتھ، ناقۂ صالح کے خون سے آلودہ ہوگیا تو گویا انھوں نے اپنی نابودی کو خود رقم کرلی یہ قانونی سلسلہ بھی ٹوٹنے والا نہیں ہے،

اس دنیا میں الٰہی نظام، ایسا ہی ہے کہ جو بھی برائی

شروع کرے گا اسکی سزا ضرور پائے گا۔

اس گائے کو قتل کرنے کی سزا جس کے دودھ سے فریدون نے پرورش پائی تھی، یہ ہوئی کہ ضحاک کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اگرچہ ایک پست آدمی نے اس قیمتی دودھ والی گائے کو مارڈا لگر یہ خدا کو ناگوار گذرا کہ اس کا فایدہ اژدر حمیر کو ملے ...[15]

جو کچھ بیان کیا گیا وہ ان نامناسب صفات کا ذکر تھا جو حکام میں نہیں پائی جانی چاہئے اب یہاں پر، ہم ان مناسب اور ضروری صفات کا ذکر کریں گے جو حکام و سلاطین کیلئے ضروری و لازم ہیں۔

۲ - میدان سیاست میں ضروری اشیاء

الف - عدل و انصاف

زمین و آسمان کا لنگر وجود[16]، مخلوقات کی راحت و آسایش اور ان کی سہولیات، سب کچھ عدل و انصاف کی مرہون ہیں۔ مالک کائنات نے عدل و احسان کا حکم دیا ہے[17]، حکمرانوں کی حکومت میں عدالت و انصاف کا اجراء، شرط لازم بلکہ ہدف اصلی ہے ظلم و بربریت کے خس و خاشاک، صرف سیاست عادلانہ کے برق و باد اور طوفان سے ہی تباہ ہو سکتے ہیں:

عدل وانصاف اور اچھی سیاست کی آندھی سے ناانصافی
اور ظلم کے خس وخاشاک، تباہ ہو سکتے ہیں۔ ص۱۸
رعایا اسی وقت، چین کی نیند سو سکتی ہے کہ جب
عدل وانصاف کی آنکھ بیدار ہو۔

دلوں پر حکومت اور نیک نامی کا انعام، اسی شاہ وحاکم کا حق ہے
جو رعایا کی نسبت مہربان باپ ہو نہ خونخوار بھیڑیا۔

عدل وانصاف کی خوبی میں کوئی شک وشبہہ نہیں البتہ اہم بات
تو یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ عدالت کیا ہے، اس کے معیار
وموازین کیا ہیں؟ اور عدل وانصاف، کس کے ذریعہ اور کن مقدمات
کے ساتھ جاری ہو سکتا ہے؟

مرحوم آیۃ اللہ شہید "شیخ فضل اللہ نوری" فرماتے ہیں:
"بالعدل قامت السموات والارض" زمین وآسمان کی بنیاد عدل
پر قائم ہے" عدل کا ضروری ہونا شرعاً وعقلاً ظاہر ہے البتہ جو کچھ عیب
ہے وہ دراصل، اسکے مصادیق کو ایک دوسرے سے جدا کرنے میں ہے ص۱۹
عدل: ہر صاحب حق کو اس کا حق عطا کرنا اور ہر چیز کو اسکی مناسب
جگہ پر رکھنے کا نام ہے۔

بقول ادیب: "عدل ہمانست کہ ہر چیز را۔ داد ہمان چیز کہ اورا
سزاست عدل ہر چیز کو اسکی مناسب جگہ ومقام عطا کرنے کا نام ہے" ص۲۰

اگر دوسرے زاویہ سے دیکھا جائے تو عدل، تمام امور میں۔ اعتدال سے کام لینے اور افراط و تفریط سے بچنے کے علاوہ، کچھ نہیں ہے۔ البتہ افراط و تفریط، کوئی سطحی و تصوری شیئ نہیں ہے کہ ہر چیز میں زیادتی پر، افراط اور اس کے نقطۂ مقابل پر، تفریط کا حکم اور ان دونوں کے درمیانی شیئ کو عدل کا نام دے دیا جائے ہر ایک جگہ الگ الگ یہ غور کرنا ہوگا کہ اس مقام پر، عدالت کیا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کسی ایک جگہ پر، عدل کا تقاضا یہ ہو کہ وہاں تواضع و نرمی سے کام لیا جائے اور دوسری جگہ اسکے برعکس۔

تندی و سختی برتی جائے، دینی نقطۂ نظر سے بھی تمام مسائل کا دار و مدار، پانچ صورتوں پر قائم ہے: واجب، حرام، مستحب، مکروہ و مباح۔ اس کے علاوہ، قاعدۂ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ" کی بنیاد، نیکوکاروں کی نیکیاں، مقربین و خاصان خدا کی برائیاں شمار ہوتی ہیں کو بھی مدّ نظر رکھنا ہوگا۔ لہذا عدل و اعتدال کو ہر کام میں ایک نئے اور مناسب نقطۂ نظر سے دیکھنا ہوگا۔

اب تک جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس سے یہ بات، واضح ہو جاتی ہے کہ: عدل و انصاف کے مواقع کی درست شناخت بغیر کسی قابل اطمینان اور جامع معیار و میزان کے ممکن نہیں۔

اب یہاں یہ سؤال پیدا ہوتا ہے کہ: آخر وہ مصادیق عدل

کی شناخت ان کے موارد کا تعین اور اس کی انجام دہی کا صحیح اسلوب کے متعلق معلومات کے لئے سب سے اچھا اور قابل اطمینان معیار اور، قاعدہ شریعت ہے۔

کیونکہ خالق جہان، خالق انسان ہونے کی وجہ سے انسان کی بہتری اور مبدا و منتہا اور اسکی سیر جاودانی کے متعلق اور لوگوں سے زیادہ اچھی طرح واقف ہے۔ وہ انسان کے تمام مصالح اور مفاسد سے بخوبی آشنا ہے،

پروردگار حکیم، انسان کے رشد و کمال کے عوامل، اسکی پستی کے اسباب اور سعادت و منزل آخر کے حصول کیلئے لازم ذرایع سے بخوبی واقف ہے اور اسی نے تمام انسانوں کے لئے ایک منظم پروگرام (اسلام) کی ترتیب دیتے وقت، ان تمام امور کو مدنظر رکھا ہے۔

اس معاملے میں اگر کوئی شک و شبہ میں مبتلا ہو تو وہ امام سجاد علیہ السلام کے رسالۂ حقوق، جیسی کتابوں کا مطالعہ کرے اور اس بات کی تایید میں موجود ہزاروں آیتوں اور روایتوں پر غور کرے تاکہ اس عمیق دریا کا اسے پتہ چل سکے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ، اصل وجود خالق کے متعلق چون و چرا کریں اور انسانی خلقت کے با ہدف ہونے کا انکار کر کے اس بات کی نفی کریں کہ انسان دراصل ایک اساسی قانون اور دین کا محتاج ہوتا ہے مگر

چونکہ ہم نے یہ قبول کرلیا ہے کہ بشر کے لئے ایک خالق ہے اور اسکی زندگی کا ایک مقصد ہے لہذا ہر عمارت کے معمار اور مصنوع کے صانع کی طرح خالق انسان بھی لازماً اپنی مخلوق انسان کی فطرت، خصوصیات اور ابتدا انتہا، ہر افعال، اچھائی برائی اور اس کے رشد و کمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

تو اس بات کو قبول کرنا بھی ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ انسان کے حق و حقوق اس کے لئے امن و امان کی راہوں کا تعین کرنے والا بھی وہی خدا ہے اور انسان کے رشد و کمال اور اس کے اعتدال کیلئے میزان و معیار بھی اس کی حکیمانہ، پسند و ناپسند کے مرہون ہے۔

اسی بنا پر ہمارا یہ کہنا ہے کہ عدل و انصاف کے موارد اور مصادیق کی شناخت کے لئے شریعت کے قوانین کو میزان بنانا چاہئے۔

بہ ہر حال اس بات پر توجہ رہنا چاہئے کہ اسلام میں کسی ایسے عدل کا وجود نہیں ہے جو احکام شرع سے الگ یا اسکے برابر ہو؛ بلکہ عدل و اعتدال، احکام دین میں ساری و جاری ہوتا ہے اور احکام دین کا باریکی سے نفاذ اور شریعت کے احکام کی پوری طرح رعایت کے بغیر، تمام اقتصادی، سیاسی یا اس طرح سے مشابہ، دوسرے امور میں کبھی عدالت کا وجود نہیں ہوسکتا۔

اب جب کہ ہم نے میزان عدل اور معیار عدالت کی تشخیص کے اصول

کو سمجھ لیا تو اب ہمیں اس پر بحث کرنا چاہیے کہ عدالت کو نافذ کرنے والے کون ہو اور انکی خصوصیات کیا ہو؟

اس مرحلے میں بھی یہ معلوم کرنا ہوگا کہ حقیقتاً عدل و انصاف، کن لوگوں سے قائم ہو سکتا ہے اور عدالت کو نافذ کرنے والے کن شرائط کے حامل ہوں تاکہ اس عظیم ذمہ داری اور حساس عہدے کیلئے موزون ہو؟ اور اس مقدس ترین شعائر پر، حجاب محو، نہ ڈال دیں آئے دیکھیں ادیب نے اس سلسلے میں ہمیں کو کون سا راستہ دکھایا ہے۔

ب - تہذیب نفس

ادیب کی نگاہ میں وہی لوگ، عدالت کو معاشرے میں نافذ کرنے کے اہل ہیں جو عدالت کے حقیقی معیار و میزان اور احکام شریعت سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ، نفسانی ارذ ہے کا تہذیب کے اسلحے سے سر کچلنے پر قادر ہوں اور ایک پاک و پاکیزہ نفس کے مالک ہوں۔

متاع عدل کا حصول، ان لوگوں کی بساط سے باہر ہے جو بے لگام نفس کے مالک ہونے کے ساتھ ہی حکم اور شرعی حجت کے ذریعے، نافذ نہ کرتا ہو۔

احکام الہی کی پابندی نہ کرنے والا کوئی بھی ہو کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اگر رعایا سے خراج وصول

کرتا ہے تو اس سے شیطان اور رہزن سمجھو۔[21]

لہذا اگر خداوند متعال اور قیامت پر ایمان اور اس کے سبب وجود میں آنے والا تقویٰ نہ ہو، تو ہر خوبصورت نعرہ اور اچھی بات ممکن ہے۔ فریب و بیہودگی، تزویر کے مکروہ چہرہ پر نقاب ہو۔ اور یوں بھی بغیر علم کے تقویٰ کس کام کا چوڑی اور ظلم ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو مبدأ و معاد، خدا و قیامت پر پوری طرح ایمان نہیں رکھتے۔ ہم دشمن کی شناخت کے باب میں بیان کریں گے کہ مغرب کے استعمار کی جڑیں بھی اسی متزلزل یقین سے نکلی ہیں۔

ناصر خسرو کے دیوان کی تصحیح کے دوران رسالہ "در نقد حاضر" میں حکیم پیشاوری ادیب نکتہ سنج، ناصر خسرو کے اس بیت "در ثیاب ربودہ از درویش - کی بہ دست آیدت بہشت و ثواب" کی مناسبت سے کہتے ہیں:

درویش سے چھینے ہوئے کپڑے سے کب ثواب و بہشت ملے گا فقیر سے کپڑا چھینے والا گوسفندوں کے حق میں بھیڑیا جیسا ہوتا ہے۔

ایسا شخص، بہشت کے لئے قضاوت نہیں کرتا اور نہ ہی اجر و ثواب کا حق دار ہے۔[22]

اس طویل بیان کے بعد ہم یہ نتیجہ نکالیں گے کہ حکمرانوں کو تہذیب

نفس کی قوت کے ذریعہ، خواہشات نفسانی کو معتدل کرنا چاہئے اور اور علم حاصل کرنا چاہیے۔

اے دل! خواہشات کی قید سے آزاد ہوجا اس لئے کہ ہلاکت کی بنیاد، ہوا و ہوس اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں ہے۔

عقلمندی اور دیانت داری سے انسان، نادانی اور ستم کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے۔

اور ایسا شخص، لوگوں کے دلوں پر، حکمرانی کرتا ہے اگرچہ وہ بظاہر، فقیر ہی کیوں نہ ہو۔

ہوا کو مسخر کرکے وقت کا سلیمان بن جا یا ہوا و ہوس کو چھوڑ کر وقت کا سلیمان بنا جا۔ ۲۳ے

پادشاہی اسی شخص کے شایان شان ہے جو بدکرداروں کو مجبور کرکے قید و بند کی دیواروں میں جکڑ دے اور سب سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرکے اسے قید کردے اور تاجر یا بازاری سے اپنے دست طمع کو قطع کردے (یعنی ان کا مال و دولت کا لالچ نہ کرے)۔ ۲۴ے

پ - کرامت طبع (نیک طبیعت کا مالک ہونا)

شاہی خاندان سے تعلق اور خاقان سے رشتہ داری تمھیں کیا دے گی ؟ اگر روح پر جسم کی بڑیاں ہو اور دل، خواہشات کا اسیر تم ظاہری نگاہوں میں تو سلطان بن سلطان ہو مگر باطنی آنکھوں تم عبد بن عبد ہو، ظاہراً امیر مگر باطناً اسیر۔

حقیقی سلطان کا حسب ونسب دراصل، درست کردار، نیک طبیعت اور بلند حوصلگی سے ملتا ہے اور بلند کردار و اعلی طبیعت کے مالکوں کے علاوہ جو ہو وہ نیت اور ہیچ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں حقیقی شان وشوکت اور رعب ودبدبے کو ظاہری جاہ وجلال میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔

سلطان جمشید صفت وہ نہیں ہے جو اپنے دشمنوں کو زندان میں مقید کردے بلکہ حقیقی شاہ وہ ہے جو اپنے آپ کو ہوا وہوس کے چاہ سے باہر نکال کر گوہر وجود کو شیطانی آرزوں کی آلودگیوں سے پاک رکھے لالچ سے پرہیز کرے اور اپنے نفس کی سرکش سواری پر استواری عقل وتقوی وپایداری کی لگام لگادے اور اپنی باطنی مملکت کو زیور علم و حکمت سے آراستہ وپیراستہ کردے۔

اگر تم کسی کی قومیت کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے اعمال

کے بارے میں غور و فکر کرو؛ اگر اس کے اعمال، پستی کی طرف، مایل ہو تو سمجھ لو اسکی قومیت بھی پست ہے۔

پستی کیا ہے؟ اس دنیا سے وابستگی اور اس کی خواہشات۔

یاد رہے کہ: دنیا داری تجھے سوائے مکر و فریب اور جھوٹ کے کچھ نہیں سکھائے گی اور تیرے دل سے ایمان کی روشنی ختم کر دے گی۔

اگر اس پر زال (دنیا) کے داؤں میں آ گئے تو، تم اپنے اصل مقصد اور ہدف کو کو بیٹھو گے؛ لہذا تمام امور میں سچائی اور امانت داری سے کام لو اور کجی و کاستی سے پرہیز کرو۔ ص۲۵

عقلمند انسان کے لئے زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے دل کو دنیوی رنگ و بو کا اسیر بنالے۔

دنیا کو اس کا غلام ہونا چاہئے اس سے اسیر دنیا نہیں ہونا چاہئے۔

بازار دنیا کو اپنا خریدار بنا چاہئے اے خریدار متاع دنیا نہیں ہونا چاہئے۔

لمبی لمبی آرزوئں اور لالچ، عقل و ہوش کو کھا جاتے ہیں، خانہ عقل، ان دونوں کے وجود سے ویران ہوجاتا ہے۔

اگر تم جمشید و سلیمان جیسے بادشاہوں کو دیکھنا۔ چاہتے ہو، تو اس سے دیکھو: جو اپنی خواہشات کو قید کرچکا ہو۔

اگر اس اژدہے (خواہشات نفسانی) کو تونے اپنے ہاتھوں قتل کرڈالا تو، تو وقت کا "سام۔ نریمان" (ایک وار میں اژدہا مارنے بہادر شخص شاہنامہ میں) ہے۔

عزم و ہمت کی رسی کو ہاتھ سے نہ چھوٹنے دو، اور مایوس ہونے کے بجائے، کوشش کرتے رہو اس لئے کہ مردانگی اور ہمت سے ہی بڑے بڑے مشکل کام آسان ہوجاتے ہیں۔

تم بادشاہوں کی طرح اپنی شان و شوکت کا ڈنکا بجاتے رہو اگرچہ زمانے تمھیں بغض و حسد کی بنا پر فقیر ہی کیوں نہ سمجھے

تمھارا پھٹا پرانا لباس اس شاہی خلعت فاخرہ سے

بہتر ہے جو دست سوال دراز کرنے سے حاصل ہو۔

اپنے دل سے لالچ و طمع کا جہنّم نکال دو ؛ اس کے بعد دیکھو تو تمھیں وہاں بہشت نظر آئے گی۔

مینای توحید سے ایک چھلکتا ہوا جام پی جاؤ تاکہ تم ابد تک مست مئے توحید رہو۔ ص۲۶

ت - علم و دین و دانائی

جو شخص علم اور دین رکھتا ہے ہر چند کہ وہ فقیر و محتاج ہو، درحقیقت وہی لوگوں کا سلطان ہے لہذا جب جناب یوسف علیہ السلام زلیخا کے شوہر کی قید میں تھے تب بھی وہ عزیز مصر تھے نہ وہ جو ظاہراً تخت نشین تھا اور اپنے لئے عزیز کا لقب اختیار کر لیا تھا۔

جو شخص علم و دین کے دولت سے مالا مال ہو اور جہل و ستم کی قید سے آزاد ہو چکا ہو اگرچہ وہ بظاہر، فقیر ہی ہو لیکن درحقیقت، سلطان وہی ہے۔

مصر میں تخت حکومت پر عزیز مصر نہ تھا بلکہ زندان کا باسی یوسف درحقیقت، مصر پر حکومت کر رہا تھا ص۲۷

جس جگہ علم و دانش کی قدر ہوتی ہے وہاں پر تاج شاہی بھی بلند ہوتا ہے۔

دنیا کو بارش سے کہیں زیادہ اس پادشاہ کی ضرورت ہے جسکی طینت، دانائی و حکمت ہو. ص۲۸

جو شخص، علم و حکمت کی دولت سے مالا مال ہے وہ بڑے بڑے پادشاہوں سے خراج تحسین، حاصل کرلیتا ہے. ص۲۹

ادیب کے نقطہ نگاہ سے جو شان و شوکت علم و حکمت سے عاری ہے وہ ظاہری طنطنہ و دبدبے کے ہوتے ہوئے بھی بہت جلد، فنا ہونے والی ہے وہ مملکت جس پر دانشمندوں کی حکومت نہ ہو اور اس کے حکماء کی بیکاری کی وجہ سے علم و ہنر نے وہاں اپنا مقام نہ بنایا تو ادیب کی نگاہ میں ایسی مملکت، ویرانی اور شکست سے دو چار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی.

جس ملک میں شاہی رعب و دبدبے کے ساتھ علم و حکمت کی قدر نہ ہو وہ ملک بہت جلد، تباہ و برباد ہو کر رہ جائیگا اور اس پر، دشمنوں کا قبضہ ہو جایگا

علم و حکمت کا فقدان، تخت سلطنت پر، جلوہ افروز، ہونے والے پادشاہ اور اسکی رعایا دونوں کیلئے باعث ننگ و عار ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس سے شیطان غالب آتا ہے. ص۳۰

ہندوستان کے آخری ایام کی تاریخی تحلیل کرتے ہوئے ادیب

نے جو نتیجہ نکالا ہے اس میں وہ حق بجانب ہے ؛ ادیب، اس بات پر، عقیدہ رکھتے ہیں کہ انگریزوں کی اس زرخیز اور وسیع سرزمیں پر سلطنت اور ان کے دھیرے دھیرے سارے ہندوستان پر، تسلط کے عوامل میں انگریزوں کی خباثت کے علاوہ، وہاں کے حکّام، راجاؤں اور مہاراجاؤں کی کم علمی اور جہالت بھی شامل تھی۔

ادیب کے نظر میں، حکمرانوں کی غفلت اور اجنبی لٹیروں کے مقابلے میں کاہلی ہندوستانیوں کا وہ گناہ ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔

جی ہاں! دشمن کی پہچان نہ ہو تو اسطرح کے خفیہ نفوذ، اور آخر کار، دشمن کی حکومت کے انتظار میں بیٹھ جانا چاہیئے۔

ادیب اپنے اس زمانے میں ہندوستانیوں سے مخاطب ہوتے ہیں جب یہ ملک، انگریزی حکومت کے بھنور میں گلے تک ڈوب چکا تھا اور اپنی نجات کے لئے ہاتھ پیر، مار رہا تھا ؛ ہندوستانیوں کی ایک بڑی تعداد، استعمار کے فتنوں کی آگ کا ایندھن بن چکی تھی، ادیب کہتے ہیں :

اے سرزمین ہند! تو بتا نہیں چاہتی یا سچ سچ نہیں
جانتی کہ تیرا وہ کون سا گناہ ہے جو بارگاہ معبود میں بھی

قابل بخشش نہیں ہے۔

بے تدبیر و ناداں حاکم کے علاوہ، تیرا کوئی گناہ نہیں
ہے۔

ایک عاقل نے جب تجھ پر حکومت کرنے والے نوابوں اور
مہاراجاؤں کو دیکھا تو بولا: عجیب بات ہے، جاہل،
حکومت کر رہا ہے اور سرداری غافلوں کے ہاتھ میں،
ہے!۔

کافر صفت چور، ملک میں گھس گیا ہے، مہاراجہ اور
نواب، ناداں ہیں اور ملک کا مال و دولت، بغیر پاسبان
کے رہ گیا ہے!۔

ایسے میں اگر چور، یک بارگی ساری دولت، اٹھا لے
جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ح۳۱

لہذا اے مسلمانوں! اور اے ہندوں! ہوشیار
ہو جاو، کہیں ایسا نہ ہو کہ: یہ نادانی تمھیں اوجِ ثریّا سے
تحت الثریٰ میں پہونچا دے۔ ح۳۲

مثنوی قیصر نامہ میں بھی ادیب نے جان کلام کو مختصر لفظوں میں اس
طرح، بیان کیا ہے:

گستاخ انگریز، میرے گھر، آدھمکا اور خوشی خوشی میرے

ایوان میں بیٹھ گیا۔

جب اس نے دیکھا کہ میں کمزور ہو چکا ہوں اور میرا جسم، ناتوانی سے حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہا ہے!

تو وہ میرے چندن نما جسم پر سانپ کی طرح لپٹ گیا اور اپنی نیرنگی اور دھوکہ بازی سے مجھے باندھ کر اپنے قبضہ میں کر لیا۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ میں علم و حکمت سے بے بہرہ تھا اور میرا دل، آتش علم و حکمت نہ ہونے کی بنا پر، سرد پڑ گیا تھا۔ ص۳۳

اور اسیطرح، انگلستان کی استعماری حکومت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر ہندوستان، کسی توانا اور عاقل، حکمران کے ہاتھوں میں ہوتا اور وہ بہادری سے اس پر، حکومت کرتا تو کیا مجال تھی کہ تم انگریزوں کو قدم رکھنے کی جگہ ملتی تم تو بزدل ہو تم میں مقابلے کی طاقت کہاں تھی۔ ص۳۴

سرزمین ایران پر منحوس انگریزی حکومت کے قبضے کے علل کو بیان کرتے ہوئے ادیب انھیں اسباب کا ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے ہندوستان کے بارے میں بیان کئے تھے۔

ادیب کی نظر میں ایران پر، مغربی استعمار، اپنے تجاوز میں اس لئے کامیاب ہوا کہ: ستم پیشہ، رفاہ طلب اور کج فکر افراد کی نادانی وظلم، ملک کے مزاج کو تبدیل کر چکی تھی اور یوں اس سرزمین کی بنیادیں کمزور ہو چکی تھیں۔

اس تاسف انگیز ماحول میں غدّار سامراجیوں کے لئے زمینہ ہموار ہوگیا اور وہ اپنے حیلہ و نیرنگ کے ساتھ اس سرزمین پر، آدھمکے وہ خزاں کی زہر آلود ہوا کی مانند، اس باغ میں سرایت کرتے گئے اور اپنے مکر و فریب سے اس باغ کو پژمردہ اور آخر کار، شعلوں کے حوالے کر کے راکھ میں تبدیل کر لیا۔

نافہم ستم پیشہ اور مال و دولت کے حریص لوگوں کے
ہاتھوں میں ملک ایران ایک نحیف و ناتوان جسم اور پژمردہ
باغ کی طرح تھا۔

نہ تو اس پژمردہ باغ میں گھانس پھونس باقی تھی
نہ پتیاں اس کے اندر اندھیرے کی وجہ سے راستہ چلنا
دوبھر تھا کہ اچانک ایک بازی گر جو سراپا حیلہ و فساد تھا
اس باغ میں آگیا اور اس نے جلا کر راکھ کر دیا۔ ص۳۵

حکمرانوں اور امیروں کو چاہئے کہ وہ عقل و دانش کو اپنے راستے کا چراغ اور درست فکر و بینش کو اپنا وزیر و مشاور بنائیں جس مملکت

میں عقل کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اس میں ظلم و ستم کو راہ نہیں مل سکتی۔

جس کام میں تمھاری راہنمائی عقل کرے گی وہ کام درست ہوگا لہٰذا عاقلانہ کام کی طرف، رغبت پیدا کرو۔ ص۳۶

علم و حکمت کے خزانہ دار بنو اور علم و حکمت کی بدولت، ساری دنیا پر فرمانروائی کرو۔ ص۳۷

جس کی عقل اس سے نصیحت نہ کر سکے اس بھلا کوئی کیا نصیحت کر سکتا ہے۔ ص۳۸

عقلمند کو برائیوں سے دور سمجھو اور اس کے ہر کام کو حکم عقل کے مطابق جانو۔

جو شخص دستور عقل کا تابع ہو کر، زندگی گذارے گا، اس سے برائی کے راستہ پر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔

آسمان، تیرے تاج کو نہیں توڑ سکتا، نہیں زمیں تیرے لشکر کو مغلوب کر سکتی ہے۔

لیکن اگر تو برے سانپ کی طرح بدکردار ٹھہرا تو اپنے کو فریدون نہ سمجھ بلکہ تو ضحاک ہے۔ ص۳۶

جس ملک میں عقل حاکم ہے وہاں پر، ظلم و ستم کرنا روا نہیں ہے۔ ص۳۷

ث ۔ عقلمند مشاوروں کا انتخاب

صرف بادشاہ ، راجا یا مسند اقتدار پر بیٹھنے والے کا علم کافی نہیں ہے بلکہ دربار کے دوسرے وزرا اور حکومت کے تمام اعضا کیلئے ضروری ہے کہ وہ عقل و بینش سے بہرہ مند ہوں.

دوسرے تمام شعبوں کی طرح عدلیّہ کا بھی نتیجہ ، اسی وقت ، مثبت ہوگا جب متن و حاشیہ ، مرکز و محیط ، قوانین وضوابط ، ایک دوسرے سے موافقت رکھتے ہوں گے .

اصولاً بادشاہ و حکمران ، دوگروہوں کے تعاون سے بے نیاز نہیں ہوتے ؛ قوی ہیکل سپاہی جو دشمن سے جنگ اور ملک کے دفاع کے ذریعہ اپنے وطن کی حفاظت کرتے ہیں.

دوسرا گروہ ، ان علماء و دانشوروں کی ضرورت ہے جو اپنی فکر و عقلمندی سے بہترین مشوروں کے ذریعہ ، ملک کی حفاظت میں مدد دیتے ہیں.

اس سلسلے میں حکمرانوں کو علما و دانشوروں کی ضرورت ، فوجیوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے کیونکہ فوجیوں کو دانشور راستہ دکھاتے ہیں وہی بادشاہ ، بہترین طریقہ سے حکومت کرسکتا ہے جسکا اسلحہ فکر ہو اور جس کی تیغ قلم سے دستور حاصل کرتے .

جو شخص، تخت و تاج کا مالک ہے اس کے لے دو چیزیں
ناگزیر ہیں؛ ایک لشکر جرار دوسرے، عقلمند افراد۔
عقلمندوں کی زیادہ ضرورت ہے اس لے کہ انھیں کے
دستور پر چل کر لشکر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ ص۳۸

ہاں! بادشاہ کا ظاہری مشاور اور دستور العمل جو اس کے لے عقل منفصل کی حیثیت رکھتا ہے ایک خردمند و ہوشیار شخص ہونا چاہئے تاکہ اسکی رای، تدبر و حکمت کے سانچے میں ڈھلی ہو۔

جہاں کسی بادشاہ نے نادان مشاوروں کی پیروی کی وہی اسکی قسمت سو جاتی ہے۔

حکمت و دانائی سے مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور
تدبیر و ترکیب سے ہر کام اچھی طرح انجام پاتا ہے۔ ص۳۸

عقلمند بادشاہ، اپنے پاس عقلمندوں کو خاص جگہ
عطا کرتا ہے اسلے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ صاحبان
علم و حکمت ہی اسکے محافظ ہیں۔ ص۳۹

ج ۔ حدود مملکت سے دشمنوں کے دور کرنے کا حوصلہ

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا (مثلاً کبر و نخوت سے پرہیز کرنا رعایا پر، ظلم و جور نہ کرنا، تہذیب نفس، علم و ہنر کا حصول، دشمنوں کی سازش

اور ان کی نیرنگیوں سے ہوشیار رہنا وغیرہ) یہ سب بادشاہ میں لازم شرائط ہیں مگر یہی کافی نہیں ہے ان سب کا ہونا تو واجب ہی ہے۔ اسکے علاوہ، حکمرانوں کو عزم، ارادہ، بلند ہمتی اور جرات کا مالک بھی ہونا چاہئے تاکہ دشمنوں کے حملے یا ان کی ریشہ دوانیوں کے طوفان کے مقابلے میں قیام کرسکے۔

وقت ضرورت، قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ دے اور قوم وملت کی مدد کرتے ہوئے اپنی جوانمردی وبہادری سے ملک کی پاک زمین کو دشمنوں کے خون سے رنگین کردے پورے کا پورا قیصر نامہ، عزم وہمت کی دعوت دیتا ہے۔

اگر دریا میں غوطہ لگانے والا ڈرنے لگی اور مشک،
ہرن کی ناف سے باہر نہ نکلے تو نہ دنیا کو مشک کی خوشبو سے
معطر کرسکتا ہے اور نہ تاج شاہی کو عزت دے سکتا ہے
آدمی کا جسم جتنے زیادہ، رنج والم میں مبتلا ہوگا،
اس کا عزم وارادہ اتنا ہی قوی ہوگا۔

عزم وارادہ میں قوی انسان ہی بلندیوں پر پہونچتے ہیں تو بھی اگر اوج، چاہتا ہے تو اپنے ارادے میں قوت پیدا کر۔

جسکی ہمت زیادہ ہوتی ہے وہ اور بڑے بڑے

رنج و غم کو آسانی سے سہ لیتا ہے۔

۔ خدا نے ہر انسان کو اس کے انداز ے کے مطابق ہمت و دلیری عطا کی ہے۔

بے ہودہ قسم کے لوگ جو ہمیشہ لوگوں کو اذیت، پہونچاتے رہتے ہیں اکثر پست لوگوں کی نگاہ، بلند مرتبہ سمجھے جاتے ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب بلند مرتبہ انسان جب کوئی بڑا کام انجام دیتا ہے تو وہ اسے بڑا نہیں سمجھتے

بال و پر جان، تیرے لے عزم و ہمت ہیں تجھے گھریلو مرغیوں کی طرح نہیں ہونا چاہئے کہ پرواز نہ کر سکے[۱۸۲]

عزم و ہمت کے بغیر، بزرگی و عظمت، حاصل کرنے کی کوشش ایسی ہی ہے۔ جیسے بغیر پانی کے تیرنے کی کوشش کی جائے۔[۲۸۳]

اگر تیرے اوپر بھی ہمت کی لگام، لگا دی جائے، اور تو نڈر ہو جائے تو یقیناً تو بھی رستم بن سکتا ہے

اگر تو رہوار ہمت کی کمر کس لے تو آسمان کو اپنی مٹھی میں لے سکتا ہے۔

جس کا پائے ہمت بلند و محکم ہو جاتا ہے وہ نوکیلے

کانوں سے بھی گزند، محسوس نہیں کرتا۔[۴۳]

مملکت اور رعایا، بادشاہ کے ناموس کی طرح ہوتے ہیں اور اس ناموس کی حفاظت، دشمنان آب وخاک وطن سے سخت اور پایدار جنگ کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی ایسے وقت میں کوتاہی کرنے والا بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا بالخصوص جب وہ سرکش واجبی دشمن، ایک آتش طبع اہرمن مغرب استعمار کی طرح ہو۔

بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان اپنے گرد و نواح سے
دشمنوں کو نہ بھگائے بالخصوص وہ دشمن جو اژدہے (انگریز)
جیسا ہو اگر اس سے کوئی صلح کرلے تو اس سے بڑا ظلم
کیا ہوگا۔[۴۴]

اگر دشمن شناسی کے فقدان اور ان کے مکر و فریب سے غفلت مشرق پر، انگریزوں کی سلطنت کی ایک اہم وجہ ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا دوسرا عامل، عوام کی سستی اور حکام کی کاہلی بھی ہے جب مجاہدین نے اپنی شمشیر جہاد کو عافیت سے دھو لیا اور زمانے ایسے فدا کار غازیوں سے خالی ہو گیا تو صلیبی دیو، دوبارہ مغرب سے آکر، اپنی سلطنت کے سیاہ خیمہ، مشرق کے وسیع، میدانوں میں پھیلانے لگا۔

ادیب، صلیبی جنگ کے مشہور مجاہد "صلاح الدین ایوبی" اور اس زمانے کے مسلمانوں کی طرف، اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مجھے صلیبی جنگوں کے مشہور سردار، صلاح الدین ایوبی کا زمانہ، یاد ہے جب صبح و شام، جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے جیسے ہی یہ عزیز مجاہدین، خاک و خون میں غلطاں ہوئے یورپی دیو، اپنی پناہ گاہوں سے آدھمکے۔

گویا جمشید کے زندان سے دیو آزاد ہو گیا ہو اور اژدہے کے مانند ہر طرف سے حملہ کرنے لگا۔

اے دیو! تجھے آزادی میسر آگئی ہے اس لے جتنا چاہے اکڑ لے؛ اب حضرت سلیمان (ع) کا زمانہ نہیں رہا کہ وہ تجھے قید کر دیتے)۔ھ۵)

ادیب اس حاکم سے اس قدر متنفر ہیں جو سرزمیں وطن پر، حملہ کرنے والے دشمنوں کے مقابل، سکوت اختیار کر لیتا ہے یا دشمنوں کی نامرئی حکمرانی کے مقابل، سستی و غفلت برتتا ہے تو ادیب کا ایسے حکام سے تنفر شدید ہو گا جو دشمنوں کے ساتھ ملکر، سازشیں کرتے ہوں اور ان سے رشوت لیکر انکی حکمرانی کی راہ کو اپنے وطن پر کھولدیں۔

ہاں! ادیب ان امیروں سے جو کہ بجائے اس کے ملک کو ملت کی صلاح و بھلائی کی پاسداری کریں، استعماری طاقت اور ان کے منافع کی راہیں ہموار کرتے ہیں اور اس طرح ملی ثروت کو مفت خوروں کی نذر، کر دیتے ہیں، بہت رنجیدہ ہیں اور ان کے کرتوتوں پر حد درجہ، فریاد کناں

ایسے افراد کو خود فروش دلالوں کے برابر بلکہ ان سے بھی بدتر و پست سمجھتے ہیں۔

غیروں کے جاسوس بنکر اور لوگوں کی عزت سے کھیل کر تو اپنی جیب کو زر و جواہر سے پر کرے۔

لہذا تو بھی سیرت و طبعیت میں ان دلالوں کے برابر ہے جو لالچ سے اس پیشے کو اختیار کرتے ہیں۔

کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ دلال، صرف اپنے ہی خاندان اور ناموس کی بے عزتی کا سبب ہوتا ہے مگر تو یہ کام اختیار کرکے دنیا بھر کی بے عزتی کا سبب ہوا ہے۔ ۶ھ

۳۔ علم و عدل کی سرپرستی

حاکموں کے سلسلے میں سلبی و ثبوتی صفات کی بحث کا خاتمہ قیصر نامہ کے ان چند اشعار سے کرتے ہیں جو سیاسی میدان میں ادیب کے مقصود پیشوا کے خدوخال، ابھارتے ہیں۔ ایسے حکام جو یقیناً "السلطان ظل اللہ" کے مصداق ہوتے ہیں۔

اگرچہ مخلوقات پر، حق حاکمیت، صرف خدا کو حاصل ہے (مگر خدا براہ راست مخلوقات پر حکمروائی نہیں کرسکتا اور یہ کام دوسرے فیوض الہی کے مانند، واسطے کے بغیر، حاصل نہیں ہوسکتا) اسی لے اس کے

خلیفہ حق کو یہ حق، حاصل ہے اور یہ واضح ہے کہ وہی شخص، مخلوقات پر حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا حق دار ہے جو صرف اسی کی مرضی اور پسند و ناپسند کی پرواکرتا ہو اور سایے کی طرح خدا کی مرضی اور اسکی خوشنودی کے ساتھ ساتھ ہو کیونکہ السلطان ظل اللہ۔

اے لوگو! تمھاری پادشاہت اسی میں ہے کہ خدا کی غلامی کرو۔

تمھاری اس غلامی کے آگے، فریدون اور جمشید کی پادشاہت ہیچ ہے۔ ۲۷

بعض نافہم لوگ، اس حدیث شریف سے تمام حکمرانوں اور صاحبان تاج و تخت کی حقانیت پر استدلال کرتے ہیں (چاہے وہ ظالم اور شیطان کا سایہ ہی کیوں نہ ہو) جب کہ بعض لوگ نے سابق نظریہ کو مد نظر، رکھکر اسے دین و انسانیت کی منطق کے متضاد ٹھہراتے ہوئے اس حدیث شریف کو جعلی اور صاحبان قدرت کے چاہنے والوں کی طرف سے گڑھی ہوئی بتایا ہے۔

درحالیکہ ادیب کی نظر میں یہ حدیث صحیح اور اس کے برعکس معنی رکھتی ہے؛ حدیث کا درست مفہوم یہ ہے کہ: وہ شخص حکومت کا حق رکھتا ہے جو خدا کا سایہ ہو (یعنی خدا کے اوامر و نواہی کا سایے کی طرح، پابند رہے) نہ یہ کہ جو بھی مسند حکومت اور تخت و تاج کا مالک ہو گیا ہو

وہ خدا کا سایہ بن گیا (چاہئے وہ بندۂ شیطان اور عاصی خداوند رحمٰن ہی کیوں نہ ہو)۔

جو شخص اقتدار کی بنیاد پر، اپنی حریفوں پر، غلبہ حاصل کرے یقیناً فرمانروائی اسی کو حاصل ہو جاتی ہے لیکن حق اور حقیقی حکم نہیں "الحکم لمن غلب"، غلبہ حاصل کر لینے والا حاکم ہے۔

یہ مقولہ ہمیشہ درست ہے مگر "الحق لمن غلب"، حق حاکمیت اسی کو حاصل ہے جو غلبہ پالے کا مقولہ، صرف اسی شخص پر صادق آتا ہے جو حکم "بما انزل اللہ" کرلے یعنی خدائی احکام کو معاشرے میں رواج بخشے اس کے علاوہ بغیر واسطہ جیسے معصومین علیہم السلام یا واسطے کے ساتھ جیسے متقی فقہا اپنے فرمانروائی کے منشور پر، خدائی توقیع رکھتا ہو۔

ایک جملہ میں بجز خلیفہ خدا یعنی جو شخص سایہ کی طرح، محض اللہ کا مطیع ہو اور مخلوقات میں سے کسی کی مرضی کی خدائی غیض و غضب کے مقابل پروا نہ کرتا ہو اور اپنے آپ کو خدا کا سب سے پہلا محکوم سمجھتا ہو کسی کو کسی طرح کی حاکمیت کا حق نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے افراد، مال اور دولت کی بنیاد پر دوسرے افراد پر اپنا اقتدار قائم کرلیں۔

قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ: ادیب ان تمام امور کو انبیا و اولیا کی تعلیمات کا حاصل سمجھتے ہیں وہ اپنے درج ذیل اشعار میں میدان سیاست کے مطلوب و لائق کی تصویر کھینچتے ہوئے اپنا آخری قدم اٹھاتے ہیں اور اپنے

شیعی نقطہ نظر سے ولایت علم و عدل کو آشکار کر دیتے ہیں:

پادشاہ تو وہی ہے جو کہ سایہ خدا ہو؛ اس کا سب
کچھ خدا کی طرف سے ہو۔

جس فقیر کا دل، خدا کے نور سے روشن ہو اور جو دنیا
کی خاطر اپنے دین کو نہ بیچے وہی اس دنیا کا سلطان و حاکم
بحق ہے۔

اسکے علاوہ، کسی شخص کو ظل اللہ نہ کہو؛ اس دنیا
میں وہی پادشاہ ہے اگرچہ بظاہر وہ مسکین و فقیر ہو
کائنات چونکہ خدا کی آفریدہ ہے لہذا اس کائنات
کا حاکم بھی خدائی ہونا چاہیے۔

خدائی خلیفہ کے علاوہ، سارے خلفا باطل ہیں لہذا
ان کے ماننے والے آب و گل سے بنی شمع کی مانند ہیں۔ ۲۸ م

۴۔ عدالت برقرار کرنے میں قاضی کا نقش عمل

یہاں پر نامناسب نہ ہوگا کہ ہم قاضیوں اور اجتماعی عدالت برقرار کرنے میں انکے نقش عمل کے متعلق، ادیب کا نظریہ پیش کریں اور ان کے اس اہم کردار کو سمجھیں جو معاشرے میں عدالت قائم کرنے یا ظلم و جور کی راہیں ہموار کرنے میں بہت موثر ہوتا ہے۔

آئے اس بارے میں ادیب کا نقطہ نظر، بیان کریں اور اسی کو اس کتاب کا "حسن ختام" قرار دیں۔

قاضیوں کے باب میں ادیب یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ: پارسا قاضی دیو صفت ستمگروں کو اندھا کر دیتا ہے اس کے برعکس اگر عدلیہ کے کارکن اور قضات، فاسد ہو جائیں یا ارباب قدرت سے ڈر کر یا رشوت و غیرہ کی لالچ میں حکم برحق نہ کریں تو یہ عمل، ستمگر کی جرات کا باعث ہوگا اور کمزور طبقے سے امن و امان، سلب ہو جائیگا۔

اگر کوئی باطل، دعوی کے ساتھ حاضر ہو کہ ایسے واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے تو ایسی صورت میں لوگ، قاضی شہر کی طرف، رخ کرتے ہیں تاکہ قاضی ان لوگوں کے مقدمہ کی سماعت کرے۔

اگر قاضی کا دل، ہوا و ہوس سے پاک ہوگا تو یقیناً وہ کج رفتار دیو کو بھی اندھا کر سکتا ہے (اور مظلوم کو دادرسی کر سکتا ہے)۔

جس زمانے میں قاضی بھی اپنی بساط عدالت سمیٹ لیں گے دنیا ظلم و ستم کرنے والے ڈاکوں اور خائنوں سے بھر جائیگی ط۴۹۔

قاضیوں کے دل، حب دنیا اور مال و منال کی لالچ سے پاک ہونا

چاہئے ورنہ رشوت کی بجلی ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دے گی
اور انھیں حق بینی وحق گوئی سے باز رکھے گی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آتش پرستوں سے پرہیز کرو،
میں تو یہ کہتا ہوں کہ زر پرستوں اور لالچی قاضیوں سے
پرہیز کرو۔

ایسے لوگ ملک اور ملت کے لئے رہزن ہے لہذا اپنی
آبرو بچانے کے لے ایسے لالچیوں کو جو حق شناسی سے کوسوں
دور ہیں رشوت دیکر امان حاصل کرو۔

ایسے قاضی باطل پرستی کرتے ہیں اور انھیں حق وحقیقت
کے بارے میں کچھ نہیں سوجھتا۔

اسکا دل، تاریک ہوچکا ہوتا ہے وہ آئینہ کو بھی
دھوکا دینا چاہتا ہے!

اے خوشبخت انسان! ایسے شخص سے ہوشیار جوکہ سیاہ
وسفید کو ایک کرچکا ہے اور اپنے دل کو تاریک کرچکا ہے
اسکی آنکھ کی سفیدی صرف مال وزر کو دیکھتی ہے اس
کے رخ پر زردی شرع کی وجہ سے نہیں زر کی وجہ سے ہے

اس کا دل، اتنا سیاہ ہوچکا ہے جتنا سڑک پر پڑا
ہوا تارکول کے دن کے اجالے میں بھی راہ چلنے والوں کو

راستہ دکھائی نہیں پڑتا۔

لہٰذا ہر اس چیز سے پرہیز کرو جو تمھارے دل کی آنکھ،
اندھا بنا دے یعنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

جب لوگوں کے مال کا بچاری قضاوت کریگا تو بھلا کیسے
مان لیا جائے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لے گا؟

مظلوم کی آہ و فریاد کو وہ کیا سمجھے گا جو زر و جواہرات
کی لالچ میں مبتلا ہو وہ تو ستمگر کا جانب دار ہوگا۔

جب دل میں مال و منال کی محبت، جگہ بنا یگی تو وہ ظالم
و مظلوم میں تمیز نہ کر پا یگا۔

قضاوت کے کام میں لالچی نہ ہونا شرط لازم ہے مگر یہی شرط
کافی نہیں قاضیوں کو بہت ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ تاریخ کے صفحات
پر، حق ہمیشہ مخفی نہیں رہ سکتا چنانچہ اگر وہ جان بوجھ کر غلط فیصلہ دیں
گے تو مظلوموں کی بے وجہ، حق تلفی ہوگی جسکی وجہ سے انکی یہ غلطی کبھی نہ
کبھی آشکار ہو کر رہے گی اور لوگوں کی لعنت و ملامت کا طوق، کبھی نہ کبھی
ان کی گردن پر آویزاں ہو کر ہی رہیگا۔

اس کائنات میں ظلم و ستم اور غلط کاریاں ہمیشہ،
مخفی نہیں رہیں گی۔
ظن و گمان سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے اور ہمیشہ اطمینان

یقین و تحقیق کے بعد، فیصلہ کرنا چاہیے۔

جب خدا نے گمان پر عمل کرنے سے منع کر دیا ہے تو تمھیں بھی اس راہ سے دوری کرنا چاہیے۔

قاضی کو ایسا ہونا چاہیے جب ترازو کے پلے ہوتے ہیں اور جس وقت وہ گناہ کار کو بے گناہ سے الگ کرے تو اسے چاہیے کہ بے گناہ کے ساتھ نوازش کرے اور گناہ کار کو سزا دے۔

بغیر تحقیق کیے نہ کسی کو آزاد کرنا چاہیے نہ ہی کسی کو قید کرنا چاہیے۔ سادہ دل قاضی اس فریبکار قاضی سے کہیں بہتر ہے جو لوگوں کو دھوکے دیتا رہتا ہے۔

ناانصاف شخص کے ہاتھ میں ترازو، مظلوم کے لیے رنج، غم و قلق کا باعث ہوگا اور قوانین و اصول، برباد ہو جائیں گے۔ ختم

ساتواں باب

ادیب کے اشعار کے چند نمونہ :

۱ - توحید :

توئی ای خداوند جان آفرین	بہ ہر پیکر اندر روان آفرین
سپہر رونده، روان از تو یافت	روان، ہستی جاودان از تو یافت
فروغ ہر اختر ز خورشید توست	جہان، نغمۂ چنگ ناہید توست
شود زنده جان با فروغ خرد	خیان چونکہ با جان، گلین کالبد
تن و جان، نگارندۂ کلک[1] توست	یکی دُرج[2] و دیگر دُر سلک[3] توست

ح۱: قلم ح۲: ظرفی کہ زنان جواہر آلات خود را در آن نہند ح۳: رشتہ مروارید

جهان یکسره طور سینای توست | همه طور پر از تجلای توست
شبانه چو مردان صاحب نظر | در این چرخ گردون و اختر نگر
در این شمعهای فروزنده بین | یکی جاودانی شبستان گزین
جهان چون تن است و خداوند جان | ازایرا چنین خرّم است این جهان
کز تن پرتو جان روشن بود | ز نم، تازه و شاد گلشن بود
از این پرده بیرون یکی حضرتی است | مر او ترا اندر آن بار نیست
نشانهای صنع وی اندر تنم | پدید است و خود جای انکار نیست

۲ – انسان برترین موجود آفرینش

بود گرچه گیتی ز اطوار صنع | ولی در رخ توست اسرار صنع
در آن خامه هر نقش زیبا که بود | در این نامه بنمود و زیبا نمود
هر آنچه هنر، مانی صنع داشت | به ارژنگت اندر همه برنگاشت
چنان نقشت آن خامه بر پرده راند | که هر نقش از این نقش در پرده ماند
تو جان جهانی، جهان چون بدن | به گوینده جان[۱] است خود زنده تن
چراغش بجز از تو گیرنده نیست | که گوینده جان هیچ میرنده نیست

۱: گوینده جان یا جان گویا: نفس ناطقهٔ انسانی

خویشتن را کن تماشا ای که از رخسار تو
برده وام اختر فروغ از گنبد نیلوفری
جلوهٔ حُسنِ ازل را تو فروزان آیتی
ای لبت رنگین و خط مشکین و زلفت عنبری
گر تو خواهی سیر هستی یکسره در خود نگر
که تو هم دریا و هم غوّاص و هم یکتا دُری
لاجرم هر بحر را باشد کناره و معبری
تو یکی دریای ناپیدا کنار معبری
عرش و کرسی می نگویم روح قدسی نیز هم
مر ترا اعراض دارند و تو همچون جوهری
ای دلت چون عرش ربّانی «علی العرش استوی»
باز خوان ! کاین استوا را در خوری و از دری

۳ـ عشق به محبوب قدسی

سحر به بوی نسیمت به مژده، جان سپرم
اگر امان دهد امشب فراق تا سحرم
چو بگذری قدمی بر دو چشم من بگذار
قیاس کن که منت از شمار خاک درم

بکشت غمزهٔ خونریز تو مرا صد بار

من از خیال لب جانفزات زنده ترم

گرفت عرصهٔ عالم، جمال طلعت دوست

بهر کجا که روم آن جمال می نگرم

به رغم فلسفیان بشنو این دقیقه ز من

که غایبی تو و هرگز نرفتی از نظرم

اگر تو دعوی معجز، عیان نخواهی کرد

یکی ز تربت من برگذر چو در گذرم

که سر ز خاک برآرم چو شمع و دیگر بار

به پیش روی تو، پروانه وار، جان سپرم

مرا اگر به چنین شور بسپرند به خاک

درون خاک، ز شور درون کفن بدرم

بدان صفت که به موج اندرون رود کشتی

همی رود تن زارم در آب چشم ترم

چنان نهفته در سینه، داغ لاله رخی

که شد چو غنچه، لبالب ز خون دل جگرم

۴ـ دعوای عقل و عشق

از کدا این کشوری ای عشق تو	که نه عقلی هشتی[۱] و نه دین مرا
گر یکی حمله‌ی دگر آری به من	شام سازی دیگر و پیشین مرا
عنکبوتی ای خرد! عنقا نه‌ای	که بری تا اوج علیین مرا
دور دارد از حقیقت، دیده‌را	این اثرها که کنی تلقین مرا
بنده عشقم که از آزادیش	سوده شد در زیر پی پروین مرا

دل چو غوره بود و زلفت شاخ تاک	پخته شد این غوره از پیوند تو
کی شدی شیرین و خوش این ترش و تلخ	گر نبودی مدتی آوند[۲] تو
از فلک، ناهید را آرد فرود	غمزه‌های چشم سحر آکند تو
هیچ بیجاده[۳] ندارد طعم قند	جز که بیجاده‌ی لب چون قند تو
آفرین بر عشق کآزادم نمود	ای خرد! از طبع سود آرند تو

ص۱ هشتن : گذاشتن

ص۲ آوند : آونگ، آویخته

ص۳ بیجاده : نوعی از یاقوت

۵ - خرد (عقل قدسی)

خرد بستر زنگ بی دانشی | خرد بهر خامان کند آتشی
خردمند را از بدی دور دان | به کارش از راه دستور دان
به دستوری عقل، آن کس که زیست | نیارد به راه بدی هیچ ایست
شود زنده، جان با فروغ خرد | چنان چونکه با جان، گلین کالبد
زنا بخردی خاست هر بد به دهر | که بدتر ز نابخردی نیست زهر
سترگی به کام جهان اندرون | نبینند ز نابخردی کس فزون
بدانجا که عقل است فرمان روا | ستم نیست هرگز در آنجا روا
دو چیز است مر مرد را رهنمون | یکی از درون و یکی از برون
ز بیرون یکی مرد روشن روان[1] | که از فرّ یزدان گشاید زبان
و دیگر خرد کو نکو رهبر است | تو را از درون، پاک پیغمبر است[2]
خرد کز درون رهنمون آیدت | به کف دیو سرکش، زبون آیدت

---

[1] مقصود از مرد روشن روان ، پیامبر الهی است [2] اشاره به حدیث امام کاظم علیه السلام است : ان لله علی الناس حجتین : حجة ظاهرة وحجة باطنة فاما الظاهرة : فالرسل والانبیاء ، واما الباطنة : فالعقول

بر تن برت، سلطان آزاد اوست | ز هر دیو سرکش که بیداد خوست
ترا باز دارنده از هر بدی است | مر اشترت را او مهار خردی است
شتر مست گردد بر بوی بهار | گرفته است اشترت را او مهار
که ستخوان دیگر شتر نشکنی | هم از پشت، بار گران نفکنی
تو از دعوت عقل، غافل مشو | چو بوجهل خودکامه، جاهل مشو
زنابخردی نیست دردی بتر | فرو ماند عیسی (ع) ز درمان خر
فسون مسیحا گل مرده را | دهد جان نو، نه دل مرده را
دل مرده چون سنگ دان گرنهار | نخواهد شگفتن دلی مرده وار

۷ - سخن و سخنوری

سخنگوی باید گشاده زبان | ز مه تا به ماهیش چاک دهان
که تا اندر این پهن دریای ژرف | شنا آورد چون نهنگان شگرف
به گوینده، گیتی برازنده است | که گیتی به گویندگان زنده است
سخن چشم و گوینده، چشم آفرین | سراپای گیتی بدین چشم بین
زآغاز کیهان و انجام وی | سخنگوی بنمایدت راه و پی
جهان را سخن زیب و آرایش است | زداینده زنگ بی دانش است
سخن از سخنگوی دانا به است | سخنهای نادان، ستوهیده است
زگفتار دانا سخن ها بچین | که روید بهشتیت در آستین

ببینی به دل در جهانی دگر   ببالد ز جان تو جانی دگر

کسی کو ز دانش بَرَد توشه‌ای   جهانی است بنشسته در گوشه‌ای

ز فرزانه گیرد سخن روشنی   بر چین شو که تا مشک چین آگنی

نه هر آهوئی نافه افکن بود   نه هر اختری مهر روشن بود

ترا دانش از ابر بهار و صبا است   که گل را بدینگونه فرّ و بهاست

چو دانشده مردم، سخن آورند   گهر برفشانند و گل گسترند

عنان درکشیده ز گفتار خام   بود به ز مرد گسسته لگام

۶- دانش و هنر

پزشک همه رنجها دانش است   کلید همه گنجها دانش است

کسی کو ز دانش بَرَد توشه‌ای   جهانی است بنشسته در گوشه‌ای

به هر جا که دانش بود ارجمند   بود تاج شاهی در آنجا بلند

جهان را ز باران اردیبهشت   سزاوارتر، شاه دانش سرشت

کسی کش ز دانش بود تخت و تاج   ستاند ز بهرام و برجیس باج

به دانش توان سود فرق زحل   به دانش توان کرد هر عقده، حل

کسی کو ندارد هنر در جوال   نیرزد بهای شکسته سفال

بود شادمان با هنرمند شاد   جهان با هنرمند آباد باد

مشو بی‌نیاز از هنر توختن[ح۱]   مثوست در دانش آموختن
تورا گرچه در مال، افزایش است   به اندازهٔ دانشت ارزش است

من از کودکی دارم این شعر یاد   ز استاد خود کش روان باد شاد
چو وقت از بدآموز گشتیش تلخ   سرودی همی شعر استاد بلخ[ح۲]
بیاموز تا بد نباشدت روز   چو پروانه، مرخویشتن را مسوز
ز دانندگان، باید آموختن   چراغ از فروغش برافروختن
که گم کرده ره، چون دلیلی کند   به سوگت پدر، جامه نیلی کند

۷- پند و اندرز

بهار آمد همواره در گلستان باش
به هر کجا که دمد گل، هزار دستان باش
چو غنچه خون جگر می خور از درون لیکن
به چشم خلق چو گل، تازه روی و خندان باش
دلی که نالهٔ زاریش نیست مرده بود
همیشه تا که بوی زنده، زار و نالان باش
اگر نشاند به زندان درون سلیمان دیو

ح۱: اندوختن ح۲: مقصود ابوشکور بلخی است

تو دیو طبع به زندان کن و سلیمان باش

زمانه تخم مغیلان جهل بپراکند
تو کِشت دانش و دین کن خجسته ریحان باش

شادی آن شادی است کز جان رویدت
تا درون از هر ملالی شویدت
ورنه آن شادی که از سیم و زر است
آتشی دان کآخرش خاکستر است
از گلاب غیب، بو گیرد دماغ
گر شود خوشبوی چون شبّوی باغ

به گیتی درون ای به رخ، چون بهار
عزیز است آن کس که زر کرد خوار
اگر آتشی پرشرار و شر است
به فرجام، یک توده خاکستر است

خرد بایدت تا که دلشاد و مست
نشینی و برخیزی از هر چه هست

ز خود بفکن این بند و پیوند را
غنیمت شمر، این دم چند را
ز بند جهان، هر که آزاد نیست
چنان دان که یک لحظه دلشاد نیست

۸ - نیکی و نیکوئی بهترین توشهٔ جهان پس از مرگ

اجل، آفتاب است و ما شبنمیم
چو او بر دمد، ما گسسته دمیم
ز ما تا بدو یک دمی بیش نیست
رگ جان کس رسته زین نیش نیست
بدین دم، وگر چند باشد دراز
چه شادی توان توخت[1] ای دلنواز
خنک آن که در راه، آگاه رفت
به سر برزده، افسر ماه رفت
بپیمود هر دم جهانی دگر
هشیوار[2] با کاروانی دگر
ترش غورهٔ تاک[3] شد تلخ می
گهر گشت آب و شکر گشت نی

۱: اندوخت ۲: هشیار ۳: درخت انگور

زهر چیز تا تو در این جا بوی
فراموش بادت بجز نیکوی

به گیتی چو نام تو جاوید ماند
کجا مرگ را از تو امید ماند
ز گیتی بجز نام نیکی مخواه
برافراز بر سر ز نیکی کلاه!
بجز نیکنامی در این کشتمند
ندیدم یکی دانهٔ سودمند
نباید کند جز که نام نکو
خردمند، زین زیستن آرزو
یکی دفتر است این جهان ای پسر
نبشته در آن نامها سر بسر
به نیکی نویس اندر آن نام خویش
که تا بهره یابی ز ایام خویش

۹ - حسب حال

دانشتراز

اگرچه جهان، چون شب تار بود بر این دیدهٔ من که بیدار بود
نشد خیره چشمم به تاریک شب نبستم ز تلقین و تکرار لب
اگر پرّ دانش نبودی مرا جهان همچو شاهین ربودی مرا
بزرگی به دانش همی خواستم روان را به دانش بیاراستم
چو شد حکمت و فضل، نخجیر[1] من همان گشت بر پای زنجیر من
نشد کفش من سوده[2] در راه آز بجز، پیش دانای گردن فراز
بسی رنج بردم در اشکنج خویش که از آزها بستدم گنج خویش
ز روزی که از بالش مهد خویش نهادم برون پای با جهد خویش
زمانی ز گفتار، لب دوختم سخن از سخنگوی آموختم
به هدهد خبر یافتم از سبا که خندیدن گل بود از صبا
از این پرگره، رشته‌های فره[3] به انگشت فکرت گشادم گره
همی باشش در پیش دانا خموش که افزون ز دیده بود سود گوش
نبودم به روز و شبان سیاه به سوی هنر، جز که جوینده راه

زمانه چون که به نیکی نگشت با من دوست
به دشمنیم بکارید و در بدی بچخید
وجود من که در این باغ، حکم خاری داشت
هزار شکر که این خار پای کس نخلید

۱: شکار، شکارگاه ۲: ساییده، فرسوده ۳: بسیار

چو گل شگفته از آنم در این چمن که دلم
هزار خون جگر خورد و پیرهن ندرید

۱۰- مدح مولای متقیان علی و خاندان پاکش علیهم السلام

یاد حیدر کوثر است و مهر حیدر مینو است[۱]
گرت آن مینو بباید سوی این کوثر گذر
هر رگ و پی بر تنم چون چنگ من بر یاد اوست
همچو زیر و بم خروشد در دساتین[۲] و وتر[۳]
چون ادیب از نعت او هردم طرازم دفتری
معنیش یاقوت رنگین، لفظ مروارید تر
جز به نام او نبرّد نوک خامه خنجرم
جز مدیح او نبینی در سفینه‌ی[۴] من اثر
جز که مهر بوتراب و مهر فرزندان او
کافرم گر هیچ آبی دارمی اندر جگر
هست عشق و مهر حیدر، مامک و بابای من
لاجرم فرقم نبینی از یتیمی پر غبر[۵]

۱: بهشت ۲: جمع دستان به معنی سرود و نغمه ۳: زه که بر ساز ببندند ۴: جنگ مجموعه نثر و نظم ۵: غبار

مادرم زائید تا ورزم به گیتی مهر او
مادرش زاید تا باشد نکو دلبر مرا

جز به کوی او نیارامد دل بی تاب من
ور زند خرگاه بر بالای هفت اختر مرا

چاکری او مرا خوشتر اگر بپذیردم
زانکه بخشائی به زرّین کاخ چون قیصر مرا

لال واری بسته می بودم زبان اندر سخن
کرد پاسخهای شیرینش سخن گستر مرا

آنچه از فرهنگیان آموختم از یاد رفت
جز حدیث یار، کان باشد همی از بر مرا

با خیالش از در و دیوار من خورشید رُست
خانه از هر شش جهت شد کشور خاور مرا

امشب از جام وصالش مستم و دارم شگفت
کاین نمی آید ز بخت خویشتن، باور مرا

دوش دل اندر برم نالید و گفتا ای ادیب!
سر بده در عشق و مفزا بیش درد سر مرا

گرچه زیبایند یکسر دختران طبع من
لیک زیباتر برآمد این نکو دختر، مرا

باز بامن گفت با آوای نرم از راه شرم
دور دار ای بابِ من از شوی بدگوهر مرا
داد خواهی گر مرا باکس که باشم جفت او
جفت کن با نام نگشاینده خیبر مرا
برتر آید جانم از پاکیزه رویان بهشت
در پذیرد شاه مردان، شیر یزدان، گر مرا
آسمانی زاده ام من، زین نژاد خاکیان
یک تنی نبود همال و همسر و همبر، مرا
چاکرش باشم اگر خوشتر که آرد چاکری
بهمن و اسفند یار و طوسِ بن نوذر مرا
گر نه فره ی ایزدی در ذات پاکش مضمر است
از چه شد در درک او هوش و خرد مضطر، مرا
ای سوار دُلدُل شهبا به فرّ بندگیت
ننگ آید زین سواران جهان، یکسر مرا
از پی آن کز خدای آورد، روشن[۱] نامه را
نیست کس جز بابِ شُبّیر و شَبّر[۲] رهبر، مرا

---

۱ : قران مجید ۲ : امام حسن و امام حسین علیها السّلام

گرتو نشنیدی شنیدم من که آن شاه گفت
کاین بود فتح همال و یاور و دادر[1] مرا
چون قیاسات خرد، خالی نبود از پیچ و تاب
برگزیدم مهر او، تا او بود رهبر، مرا
سطح این گنبد که تحدید جهات آمد از آن
زیرم آید گر شمارد، شاه دین کهتر مرا
جای استیزه تورا با من نماند ای ناصبی!
خواجهٔ افلح[2]، ترا و خواجهٔ قنبر مرا

۱۱ـ شوق انتظار امام مهدی عجل الله تعالی فرجه

دوش می کردم تمنا کاش این عقد پرن[3]
روز جشن عید صاحب بودی اندر دست من
تا منش چون نابسوده گوهران اندر نثار
بردمی در پیشگاه آن مبارک انجمن
عقل گفت: ای بی خبر از خویشتن هم لطف شاه
طبع چون برجیس[4] دادت شعر مانند پرن
مر ترا دریوزه کردن ز آسمان نبود روا
گر بلندی آسمان دیگری اندر سخن

ح۱: برادر ح۲: غلام خلیفه دوم ح۳: خوشه پروین، ستاره ثریا ح۴: ستاره مشتری

داشتم چون از خرد این راز بشنودم سپاس

زین عنایتها که کرد آن پیر با فضل و فطن[1]

پس فرو رفتم چو غوّاصان به بحر طبع در

تا مگر درّی به چنگ آرم گران سنگ و ثمن[2]

طبع را دیدم یکی دریا که در پهنای او

در شمار یک شمر[3] گنجید دریای عدن

برستردم[4] کلک و بگرفتم یکی دفتر به دست

شاد و خرّم چون گل از باد صبا اندر چمن

دفتر اندر دست من گفتی که شد رخسار حور

کلک در انگشت من گفتی که شد شاخ سمن

لیک هر برگی که شد زین شاخ خرّم ریخته

تاج از خورشید بستد، باج از نجم یمن[5]

آنچنان زد موج، دریای من از جوش نشاط

که پر از رخشان گهر باشد صدف وارم دهن

تاج کاووس از فروغ و بال طاووس از نگار

گشت کلک و دفترم از فرّ سلطان زمن

۱: زیرک ۲: بها ۳: برکه، گودال آب ۴: تراشیدن ۵: شعرای یمانی که ستاره‌ای است در لب صورت کلب اکبر

آن سلیمان بحق کز کلک او رخشان نگین

تا به رستاخیز نتواند ربودن اهرمن

اوست آب زندگی و ما همه زنده بدو

کو روان این جهان است این جهان او را بدن

مایه را با سنخ صورت از پی نظم وجود

داد بأس او ز نگید نگیر، دل آرام و سکن

طبع زود ستور گیرد تا جنین را در رحم

صورت فحلی[1] دهد یا زینت تشکیل زن

بی جواز او نگردد قطره اندر بحر، دُر

بی مثال او نگردد سنگ در کان[2] بهرمن[3]

گر شمیمش نگذرد بر تلّ خاکستر، بری

عنبر[4] سارا را از آنجا کیل کیل و من من

باد فروردین، پذیرد از امتثالش[5] اهتزاز

تا کند بیدار چشم رستنی[6] را از وسن[7]

آنکه رنج پیس را و کور مادرزاد را

نیز هم آن مرده را کش سود هم تن هم کفن[8]

۱: مرده ۲: معدن ۳: نوعی از یاقوت ۴: عنبر خالص ۵: فرمان ۶: رونیدنی، گیاه و درخت ۷: خواب ۸: اشارت به حضرت عیسی (ع) و معجزات وی که در قرآن آمده

زنده کردی از دمیدن وز نسودن خوب و خوش
از خداوند زمان آموخت این افسون و فن

وین همه اندیشه‌ها کاندر صنایع وز علوم
از نهاد مردمان روید همی چون یاسمن

خواه جزوی یا که کلی، یکسره اشراق اوست
زانکه نور هور[1] هم بر سهل[2] تابد هم حزن[3]

آن شجر کاندر مبارک سایهٔ او مصطفی (ص)
بیعت از فرمان یزدان می ستد زان انجمن

آن شجر را بیخ ایدون[4] آن مبارک شرع اوست
که بود شاخش فرائض برگ و بارش از سنن[5]

زیر این فرخ شجر بیعت به دست غیب کن
«یومنون بالغیب» برخوان چون اویس اندر قرن

آنچنان کاین دور مخصوص است او را مر مرا
جان و تن مخصوص او دان هم به سر و هم علن

بر من است این کز دل و جان بگروم بر بیعتش
نیست بر من تا که گویم: کی نماید خویشتن؟

۱: خورشید ۲: زمین هموار ۳: زمین درشت و ناهموار ۴: اکنون ۵: فرائض و سنن: واجبات و مستحبات

در تو گوئی گرچه رو همواره باشد محتجب
گویمت ایدون سزید از حکم خلاق زمن

گفت: افلاطون: «نباشد نوع کلی را فنا»
اوست ربّ نوع کلی، خیز و کمتر زن ذقن[1]

رفت موسی سوی خلوتگاه سینا چند روز
مستقیم احوال باش و گرد عجلی[2] بر متن[3]

موسیا! برگرد سوی مصر از میقات طور
کارگاه جادوان را با عصا درهم شکن

ای ذخیره‌ی آفرینش! وی نبیره‌ی مصطفی(ص)
ای تو خود هم مصطفی هم مجتبی هم بوالحسن

چون ستودت مصطفی پس مدح یکسر گفته شد
کس ندارد در مدیح تو مجال گپ زدن

مدح، تحدید است و در تحدید ناید ذات تو
زآنکه زآنسوتر بود از حدّ امکانت وطن

نقد مهر تو به جان اندر نهان دارم که تا
در نمانم روز محشر چون در اینجا ممتهن[4]

ح۱: چانه ح۲: گوساله، اشاره به گوساله سامری ح۳: فعل نهی از مصدر تنیدن به معنی بافتن و تابیدن ح۴: خوار دست

شکر یزدان را که مفلس نیستم کز مهر تو

چون ادیب اندر نهانم هست گنجی مختزن[1]

بار مدحم جز به خانه‌ی تو فرو ناید که من

می ندانم جز تو کس را صاحب احسان و منّ[2]

ختم

---

[1]: ذخیره شده [2]: نیکی

حوالے اور حواشی

دیباچے کے حوالے اور حواشی

ط . دیوان ادیب پشاوری ص ۵-۴۷

ح۲ . مذکورہ کتاب، مرحوم سلطان الواعظین کا علما، اہل سنت کے ساتھ پشاور میں ہونے والے اس مناظرے کا مجموعہ ہے جو شیعی طرز تفکر کی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا ہے .

ح۳ فرہنگ معین (فارسی) ج ۵ ص ۳۶۴

ح۴ . آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم "جواہر لال نہرو" اپنی کتاب "کشف ہند" میں لکھتے ہیں: ہندوستان کی ثقافت و تہذیب پر جو قومیں اثر انداز ہوئیں ان میں قدیم ترین اور سب سے زیادہ، دیرپا ایرانی قوم تھی" .

ح۵ . پروفیسر "عبدالغنی" بھی کہتے ہیں: گو کہ ایران اور ہندوستان دونوں کی

الگ الگ تہذیب وثقافت ہے مگر اس کے باوجود، ان دونوں کے مابین کچھ اس طرح کا تعلق اور ربط ہے کہ ان دونوں ملکوں کو ایسی شادی شدہ بہنوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو ایک دوسرے سے جدا ہوکر، الگ الگ مقامات پر رہنے لگی ہوں یوں بھی سنسکرت اور فارسی ایک ہی قبیلہ کی زبانیں ہیں

کتاب "شناخت اقبال" تالیف ڈاکٹر غلام رضا ستودہ ص ۲۹۷

ح۵ . قیصرنامہ، ص ۱۷۲ شہا! بشنو از پارسی گو نوا چنانیم با تو کہ گل با صبا

ح۶ . ایضاً، ص ۵۸۸

ح۷ . ایضاً، ص ۵۰

ح۸ . ایضاً، ص ۷۰

ح۹ . ایضاً ص ۵-۴۴۳

پہلا باب

ح۱ . از صبا تا نیما، تالیف یحیی آرین پور ج ۲ ص ۳۱۷

ح۲ . کتاب حاضر اور اسکی دوسری جلدوں میں ہندوستان سے مراد، تقسیم سے پہلے والا ہندوستان ہے

ح۳ . مکارم الآثار، ج ۵ ص ۱۶۲۳

عبرت نائینی نے بھی اسی قول کو منتخب کیا ہے (نامہ فرہنگیان نسخہ

خطی کتابخانہ مجلس شورای سابق بہارستان ص ۳۴)
۴ . گاہنامۂ پارس سال ۱۳۱۰ شمسی
۵ . نقباء البشر ، ج ۱ ص ۱۳۸ تالیف آقا بزرگ تہرانی
۶ . دیوان ادیب پشاوری ، ص ۲ مقدمہ اور مکارم الآثار ج ۵ ص ۱۶۲۳
اور نامہ سخنوران ص ۲۳ اور تاریخ رجال ایران ج ۱ ص ۷۷ اور زندگانی
شمس العرفا ، ص ۱۴۷
سدید السلطنہ مینابی بھی اسی قول کو منتخب کیا ہے (سفرنامہ سدید السلطنہ ،
تصحیح وحشیہ احمد اقتداری ص ۵۲۸)
۷ . ص ۲ مقدمہ دیوان ادیب پشاوری
۸ . سفرنامہ سدید السلطنہ ص ۵۲۸
۹ . ایضاً ، ص ۳
۱۰ . تاریخ روابط بازرگانی وسیاسی ایران وانگلیس فرمانروانی مغل
سے آخر عہد قاجار تک تالیف ابوالقاسم طاہری ج ۲ ص ۳۷۰ اور
رقابت ہای روس وانگلیس در ایران وافغانستان تالیف "پیو" ترجمہ
عباس آذرین ص ۵۱-۵۰
۱۱ . امیرکبیر وایران ص ۶۱۴ - ۶۱۱ تالیف فریدون آدمیت
۱۲ . تاریخ روابط بازرگانی وسیاسی ایران وانگلیس ص ۳۷۰
۱۳ . نقشہ ہای استعمار در راہ مبارزہ با اسلام تالیف محمد صواف

ترجمہ سید جواد ہشترودی ص ۳-۳۰۱

ص۱۴ . نگاہی بہ تاریخ معاصر جہان ص ۲۳۶

ص۱۵ . اسناد محرمانہ وزارت خارجہ بریتانیا دربارۂ قرارداد ۱۹۱۹ ایران وانگلیس ترجمہ دکتر شیخ الاسلامی ج ۱ ص ۹۷

ص۱۶ . قیصرنامہ ص ۱۳

ص۱۷ . قیصرنامہ ص ۱۲۱

ص۱۸ . دیوان ادیب پیشاوری ص ۴۷

ص۱۹ . کیہان فرہنگی سال ۶ شمارہ ۲ ص ۶-۲۵

ص۲۰ . ہندوستان پر انگریزی تسلط کی کیفیت اور ۱۸۵۷ کے غدر کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں یہاں ہم ان میں سے چند کا ذکر کررہے ہیں

— نگاہی بہ تاریخ جہان، تالیف جواہر لال نہرو ترجمہ محمود تفضلی

— کشف ہند 〃 〃

— زندگی من 〃 〃

— تاریخ ہند، تالیف دو لافوز ترجمہ فخرداعی گیلانی

— تاریخ نوین ہند، تالیف آنتونووا او ترجمہ پرویز علوی

— مسلمانان ہند بریتانیا، تالیف پیتر ہاردی ترجمہ حسن لاہوتی

— مسلمانان در نہضت آزادی ہندوستان آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای

— آزادی ہند، مہندس مہدی بازرگان .

— مہاتما گاندی ترجمہ محمد قاضی اور ...

ص۲۱ . تاریخ نوین ہند ص ۸۴

ص۲۲ . مسلمانان ہند بریتانیا ص ۹۷

ص۲۳ . ایضاً، ص ۱۵۰

ص۲۴ . تاریخ نوین ہند ص ۸۵

ص۲۵ . نگاہی بہ تاریخ جہان بخش ۲ ص ۸۰۱-۹۹۷

ص۲۶ . مسلمانان ہند بریتانیا ص ۴-۱۰۲

ص۲۷ . مقدمۂ دیوان ادیب ص ۴

ص۲۸ . مجلہ وحید دورۂ جدید شمارۂ ۴ سال ۹ ص ۱۰۵

ص۲۹ . دیوان ادیب پیشاوری ص ۹ ۴

ص۳۰ . مقدمہ دیوان ادیب ص ۴

ص۳۱ . قیصرنامہ ص ۱۰۱

ص۳۲ مقدمہ دیوان ادیب ص ۴

ص۳۳ مجلہ وحید ص ۱۰۴ شمارہ ۴ سال ۹

ص۳۴ مقدمہ دیوان ادیب ص ۴

ص۳۵ . ایضاً، ص ۴

ص۳۶ . از صبا تا نیما، ص ۳۱۸

ص۳۷ . مقدمہ دیوان ادیب ص ۴

۳۸. ایضاً، ص ۲-۳

۳۹. تاریخ بیہقی تصحیح وتحشیہ ادیب پیشاوری طبع تہران سال ۱۳۰۷ قمری صفحات آخر کتاب

۴۰. مجلہ وحید ایضاً ص ۲-۱۰۳

۴۱. مجلہ یادگار سال اول شمارۂ ۷ ص ۵۵

۴۲. ایضاً، ص ۲-۴۳ سال ۳ شمارہ ۳ اور بیست مقالہ قزوینی ج ۱ ص ۹

۴۳. مجلہ یادگار سال ۲ شمارہ ۸ ص ۶۱

۴۴. دیوان ادیب ص ۲۱۸ مقدمہ عبدالرسولی بر رسالہ نقد حاضر اور مقدمہ دیوان ص ۴

۴۵. گفتارہائی دربارہ چند تن از رجال ادب و تاریخ ایران تالیف قاسم صافی ص ۲۰۷ اور سفرنامہ سدید السلطنۃ تصحیح وتحشیہ احمد اقتداری ص ۴۱ - ۵۲۸ اور ...

۴۶. ادبیات معاصر تالیف رشید یاسمی ص ۲۲ اور اسلام در ۱۴ قرن تالیف سید محمود خیری ص ۲۱۱

۴۷. مجموعۂ گفتارہائی دربارۂ... ص ۷۰ ۴

۴۸. ایضاً، ص ۱۸-۱۷

۴۹. ادبیات معاصر، ص ۱۱

۵۰. تحقیق درحقیقت تجدّد و ملیت وتناسب این دو معنی با یگد تالیف میرزا

ابوالحسن خان چاپخانہ اتحادیہ تہران خرداد ۱۳۰۹

۵۱۔ مجلہ یادگار سال ۳ شمارہ ۳ ص ۴۲-۴۳

۵۲۔ بیست مقالہ قزوینی ج ۱ ص ۱۰-۹

۵۳۔ ادبیات معاصر ص ۱۱ اور لغت نامہ دہخدا شمارہ مسلسل ۶، اختیارات ازدہا ص ۱۵۸۱

۵۴۔ مجلہ وحید ایضاً ص ۱۰۷

۵۵۔ قیصر نامہ، ص ۱۲-۳۱۱

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۷

۵۷۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۵۸۔ دیوان ادیب ص ۱۶ مقدمہ عبدالرسولی اور سفرنامہ سدید السلطنہ ص ۵۴۰ اور ۵۶۳

۵۹۔ مجلہ وحید ایضاً ص ۱۰۷ ۔ سدید السلطنہ لکھتے ہیں: شب سہ شنبہ ۱۷ تیر ماہ ۱۳۰۹ شمسی کو میں انجمن ادبی کے صدر اور پارلیمنٹ کے نائب صدر، شاہزادہ محمد ہاشم میرزا افسر کے گھر منعقد ہونے والی مجلس میں گیا وہاں دوسو سے زائد تعداد ادبا اور وزیر داخلہ اور وزیر تعلیم بھی موجود تھے۔

سب سے پہلے میرزا افسر نے نہایت اثرانگیز لب ولہجے میں اس جلسے کو افتتاح کیا اس کے بعد وزیر داخلہ عبرت خوشنویس (برادر بدیع الزمان)

اور غلام رضا خان اور رشید یاسمی نے اپنا اپنا منظوم کلام پڑھا جو ادیب کی وفات کے مادہ تاریخ پر، مشتمل تھا۔

اس کے بعد، بدیع الزمان نے ادیب پیشاوری کی زندگی کا مختصر خاکہ، پیش کرتے ہوئے ان کے متعلق کچھ گفتگو کی جس کے بعد، نہایت دلگداز لب و لہجہ میں شیخ الملک نے نہایت وضاحت و تفصیل کے ساتھ ادیب کے حالات زندگی پر، روشنی ڈالتے ہوئے ان کے بعض اشعار، نمونے کے طور پر، پیش کئے

اس کے بعد، تین قطعہ تاریخ، پڑھے گئے اور اسطرح اس جلسے کا اختتام ہوگیا۔ ادیب کی ایک بڑی سی تصویر، منبر کے اوپر آویزاں کردی گئی تھی (سفرنامہ سدید السلطنہ ص ۵۳۸)

ح۶۰۔ نمونہ ہائی از نظم و نثر وثوق الدولہ با مقدمہ پژمان بختیاری ص ۱۲۴

ح۶۱۔ مجلہ وحید ایضاً ص ۱۰۸

دوسرا باب

ح۱۔ ادبیات معاصر، ص ۱۱-۱۰

ح۲۔ مجلہ یادگار سال ۳ شمارہ ۳ ص ۴-۳

ح۳۔ ادبیات معاصر ص ۱۲

ح۴۔ مقدمہ دیوان ادیب ص ۱۵-۱۱

ح۵ . مجله وحید ایضاً ص ۱۰۱ و ۱۰۷

ح۶ . زندگی و اشعار ادیب نیشابوری تالیف بدالله پندری جلالی مقدمه شفیعی کدکنی ص ۳-۲

تیراباب

ح۱ انقباء البشر ج ۱ ص ۸۳

ح۲ . تاریخ رجال ایران ج ۱ ص ۸۷-۷۷

ح۳ . نامه فرهنگیان ذیل عنوان ادیب پیشاوری

ح۴ . ادبیات معاصر ص ۱۱

ح۵ . مقدمه دیوان ادیب ص ۶

چوتھا باب

ح۱ . از صبا تا نیما تالیف یحی آرین پور ج ۲ ص ۳۲۱

پانچواں باب

ح۱ . دیوان ادیب ص ۱-۱۸۰

ح۲ . پژوهشی در اندیشه های فردوسی تالیف رضا فضل الله ج ۱ ص ۳۵

ح۳ . قیصرنامه ص ۵۹

۴. دیوان ایضاً ص ۷

۵. قیصرنامہ ص ۵۹۰

۶. ایضاً، ص ۵۷۴-۵

۷. شاہنامہ بروخیم ج ۲ ص ۴۷۷ و ۴۸۴ و ج ۴ ص ۶۱۲ و ۷۶۳
و ج ۴ ص ۹۴۲ و ۹۸۶ و ۱۰۰۷ و ج ۷ ص ۱۸۲۷ و ۱۸۵۳ و ۱۸۶۵
و ۱۸۶۸ و ج ۹ ص ۲۶۸۴ و...

۸. قیصرنامہ ص ۴۳۶-۷

۹. ایضاً، ص ۱۰۵

۱۰. ایضاً، ص ۳۱۰

۱۱. شاہنامہ بروخیم ص ۶۸۰

۱۲. قیصرنامہ، ص ۵۳-۴

۱۳. دیوان ایضاً ص ۷۶-۷

۱۴. شاہنامہ بروخیم ج ۴ ص ۹۴۷-۸

۱۵. قیصرنامہ ص ۴۴۰ بہ بعد

۱۶. ایضاً، ص ۴۲۴-۷

۱۷. شاہنامہ بروخیم ج ۱ ص ۸ و ج ۷ ص ۲۰۱۳ و ۲۱۴۱ و ۲۲۱۳
و ج ۸ ص ۲۳۸۴ و ۲۳۸۵ و ۲۳۹۶ و ۲۴۴۹-۵۰ و ج ۹ ص ۲۷۰۰

۱۸. قیصرنامہ ص ۴۷

ح۲۱ ۔ ایضاً ص ۵۹۹ - ۵۸۸

چھٹا باب ، پہلی گلگشت :

ح۱ ۔ قیصر نامہ ص ۵ - ۳۹۴

ح۲ ۔ دیوان ادیب پشاوری ص ۹ - ۱۲۵

ح۳ ۔ قیصر نامہ ص ۱۹۷

ح۴ ۔ دیوان ایضاً ص ٦ - ۱۲۵

ح۵ ۔ ایضاً، ص ۲٦۱

ح٦ ۔ ایضاً، ص ۴ - ۸۳

ح۷ ۔ ایضاً، ص ۲ - ٦۱

ح۸ ۔ ایضاً، ص ۲۷

ح۹ ۔ قیصر نامہ، ص ۱۴۲ - ۲۳۸

ح۱۰ ۔ ایضاً، ص ٦ - ۱۰۵

ح۱۱ ۔ دیوان ادیب پشاوری ص ۱۲٦

ح۱۲ ۔ ایضاً، ص ۱۴

ح۱۳ قیصر نامہ ص ۵۳۸

ح۱۴ ۔ ایضاً، ص ٦۰۸

ح۱۵ ۔ دیوان ادیب ص ۷ - ۱۲٦

۱۶ . ایضاً، ص ۱۲۶-۷

۱۷ . ایضاً، ص ۱۴

۱۸ . قیصرنامہ ص ۴۳۹

۱۹ . دیوان ادیب ص ۱۲۶

۲۰ . ایضاً، ص ۱۲۶

۲۱ . قیصرنامہ ص ۱۹۷

۴۰ . ایضاً، ص ۱۹۳

۴۱ . دیوان ادیب ص ۱۴

۴۲ . منتہی الآمال تالیف شیخ عباس قمی ج ۱، احوال امام مجتبیٰ علیہ السلام

۴۳ . نہج البلاغہ ص ۱۸۴ تصحیح دکتر صبحی صالح

۴۴ . قیصرنامہ، ص ۸۱

۴۵ . دیوان ادیب ص ۶۲

۴۶ . چنانکہ دنیا اس حیثیت سے مذموم نہیں ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی نشانی، اسکے لافانی جمال کی جلوہ گاہ اور آخرت کی کھیتی ہے بلکہ اس حیثیت سے مذموم ہے کہ: انسان کی ساری توجہ، اپنی طرف مبذول کرلیتی ہے اور اسے آخرت کی یاد سے غافل کردیتی ہے

امام باقر علیہ السلام نے پہلی حیثیت سے دنیا کو "دنیائے بلاغ" اور دوسری حیثیت سے "دنیائے کفاف" کہا ہے.

ح۴۷۔ دیوان ادیب ص ۱۳

ح۴۸۔ قیصرنامہ ص ۷-۲۳۶ دنیا کی بے وفائی کے متعلق گفتگو ادیب کے اشعار کے تکراری مضامین ہیں ادیب کے سیاسی اشعار کی بحث کے دوران ہم اس کے متعلق گفتگو کریں گے

ح۴۹۔ ایضاً، ص ۵۹۳

ح۵۰۔ دیوان ادیب ص ۱۳

ح۵۱۔ ایضاً، ص ۱۸۲

ح۵۲۔ قیصرنامہ ص ۲۲۰

ح۵۳۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۹۸ ص ۲۹۲ صبحی صالح خطبہ ۹۹ ص ۵-۱۴۴

ح۵۴۔ دیوان ادیب ص ۹۱

ح۵۵۔ ایضاً، ص ۱۴

ح۵۶۔ قیصرنامہ، ص ۱۴۵

ح۵۷۔ ایضاً، ص ۵۱

ح۵۸۔ ایضاً، ص ۶۰

ح۵۹۔ دیوان ادیب، ص ۲۸

ح۶۰۔ ایضاً، ص ۳

ح۶۱۔ ایضاً، ص ۱۶۳

ص۶۲. ایضاً، ص ۶۰

ص۶۳. قیصرنامہ، ص ۱۷۲

ص۶۴. دیوان ادیب، ص ۴۲

ص۶۵. ج ۲، مواعظ و کلمات حکمت آمیز امام محمد باقر علیہ السلام

ص۶۶. دیوان ادیب، ص ۲۶۷ - ۲۶۶

ص۶۷. ایضاً، ص ۴۸

ص۶۸. ایضاً، ص ۲۸

ص۶۹. قیصرنامہ، ص ۳۰۷

ص۷۰. دیوان ادیب، ص ۶۰

ص۷۱. ایضاً، ص ۶۲

ص۷۲. قیصرنامہ، ص ۱۱ - ۹

ص۷۳. دیوان ادیب، ص ۱۲۷

ص۷۴. ایضاً، ص ۹۸

ص۷۵. قیصرنامہ، ص ۵۶

ص۷۶. دیوان ادیب، ص ۱۵۶

ص۷۷. ایضاً، ص ۱۵۸

ص۷۸. ایضاً، ص ۱۶۱

ص۷۹. دیوان ادیب، ص ۱۶۹ اور قیصرنامہ، ص ۴۹۵ - ۵۲۵

۸۰۔ دیوان ادیب، ص ۱۲۷

۸۱۔ ایضاً، ص ۲۴

۸۲۔ ایضاً، ص ۸۵-۸۴

۸۳۔ ایضاً، ص ۴

۸۴۔ قیصر نامہ، ص ۲۵۵

۸۵۔ ایضاً، ص ۲۷۳

۸۶۔ ایضاً، ص ۳۹۴

۸۷۔ ایضاً، ص ۵۱۷

۸۸۔ قیصر نامہ، ص ۵۷۷-۹

۸۹۔ ایضاً، ص ۵۵۹-۶۱

۹۰۔ دیوان ادیب، ص ۱۵۵-۱۷۰

۹۱۔ ایضاً، ص ۱۵-۱۶

۹۲۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۹۳۔ ایضاً، ص ۳۲

۹۴۔ ایضاً، ص ۴۰-۱

۵۹۔ عشق قدسی کی معجزنمائی کی شرح، دوسری جلد میں آئے گی

۹۶۔ دیوان ادیب، ص ۴۱-۳۷۰

۹۷۔ ایضاً، ص ۱۰۸

ص۹۸ . مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ حسین لنکرانی جن سے میں نے پہلی دفعہ ان
ابیات کو سنا تھا فرماتے ہیں: سفر حج کے دوران، مدینہ منورہ میں،
جیسے ہی میری نظر، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربت پاک پر پڑی
دوسرے عام زائروں کی طرح میرے ہاتھوں سے بھی دامن صبر چھوٹ
گیا اور پاگلوں کی طرح اس پاک مزار کی طرف، دوڑ پڑے جہاں ایک پولیس
والا کھڑا تھا تاکہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق، ہم مشرکوں کو کوڑوں سے
توحید کا سبق سکھائے اور عاشقوں کو حریم یار سے دور رکھے!

میری کیفیت دیکھتے ہی وہ آمادہ ہوا اور اس نے اپنا کوڑا ہاتھ میں
سنبھال لیا، کہ میں نے فوراً یہ شعر پڑھا: امر علی الدیار...

جناب لنکرانی کہتے ہیں: اس پولیس والا نے جیسے ہی ان اشعار کو
سنا اور موجودہ صورت حال پر منطبق کیا، اپنی جگہ پر، منجمد ہوکر رہ گیا
پھر اس کے بعد، اس نے مزار چومنے سے کسی کو منع نہیں کیا!

ص۹۹ . دیوان ادیب، ص ۲۸

ص۱۰۰ . ایضاً، ص ۶۴

ص۱۰۱ . ایضاً، ص ۶-۸ اسی طرح ادیب نے اپنے اشعار میں حضرت علی علیہ
السلام کی روز قیامت، شفاعت اور حصول جنت کی طرف، نہایت لطیف
اشارے کئے ہیں اسی طرح انھوں نے دشمنان علی علیہ السلام کی ناجائز
پیدائش کی طرف بھی اشارہ کیا ہے.

۱۰۲۔ سدید السلطنہ کبابی جو خود مرحوم سید علی سادات اخوی کے گھر، امام زمانہ حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی ولادت کی مناسبت سے ہونے والے عظیم الشان جشن میں شریک ہوئے لکھتے ہیں:

پندرہ شعبان سنہ ۱۳۱۴ بروز سہ شنبہ کو کھانے کے بعد، ہم سادات اخوی کے گھر گئے۔ یہ چند بھائی ہیں جن کا شمار، تہران کے اعیان میں ہوتا ہے ان میں سب سے بڑے بھائی سید علی ہیں امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کی مناسبت سے یہ ہر سال چودہ اور پندرہ شعبان کو دن اور رات میں دعوت عام کا اہتمام کرتے ہیں جس میں چھوٹے بڑے افراد بھی شریک ہوتے ہیں؛ بعض، صرف چائے اور حقے سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ مختلف شیرینیوں کا لطف اٹھاتے ہیں اسیطرح کچھ لوگوں، چاندی کے سکے، عیدی بھی لے لیا کرتے ہیں۔ رات میں آنے والے سارے لوگوں کھانا بھی کھاتے ہیں۔ علما، تجار اور سربرآوردہ افراد وہاں تبرکاً شرکت کرتے ہیں ہر ایک اپنی مالی حیثیت سے سادات کیلئے نذرانہ بھیجا کرتا ہے۔

گزشتہ سال، اسی مناسبت کے سلسلے میں شاہ شہید ناصرالدین بھی وہاں گئے تھے... آج بھی گذشتہ سالوں کی طرح، اہل بازار کی طرف سے امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کی مناسبت سے دوکانوں کو سجایا گیا تھا یہ عید، بہائیوں کی رقابت میں خاص طور سے منائی جاتی ہے۔ اس سال ان کا انجاموں جشن ہے (سفرنامہ سدید السلطنہ، ص ۱۵۶ اور ص ۱۰۸)

چھٹا باب، دوسری گلگشت

ص۱ ۔ مجلہ یادگار، سال ۲ شمارہ ۸ ص ۵-۶۲

ص۲ ۔ دیوان ادیب، ص ۹۲

ص۳ ۔ سورۂ الرحمٰن آیہ ۷-۲۶

ص۴ ۔ دیوان ادیب، ص ۴-۹۳

ص۵ ۔ ایضاً، ص ۵-۴۹

ص۶ ۔ قیصرنامہ، ص ۹۵ ۴

ص۷ ۔ دیوان ادیب، ص ۶-۹۵

ص۸ ۔ قیصرنامہ، ص ۵-۴۵۶

ص۹ ۔ ایضاً، ص ۳۸۷

ص۱۰ ایضاً، ص ۸۷۶

ص۱۱ ۔ ایضاً، ص ۷۴۱

ص۱۲ ۔ لاچین، عباس میرزا نائب السلطنۃ، ص ۷۱-۷۰

ص۱۳ ۔ قیصرنامہ، ص ۲۷۵

ص۱۴ ۔ دیوان ادیب، ص ۶-۳۵

ص۱۵ ۔ بالعدل قامت السموات والارض

ص۱۶ ۔ قیصرنامہ، ص ۶۷۶

ص۱۷ . قیصرنامہ، ص ۱۶۷

ص۱۸ . پایداری تا پای دار، تالیف علی ابوالحسنی (منذر) ص ۳- ۵۵۲

ص۱۹ . دیوان ادیب، ص ۸۴۲

ص۲۰ . ایضاً، ص ۹۴

ص۲۱ . ایضاً، ص ۲۳۷

ص۲۲ . ایضاً، ص ۹۵

ص۲۳ . ایضاً، ص ۱۷۱

ص۲۴ . قیصرنامہ، ص ۶۱

ص۲۵ . دیوان ادیب، ص ۳۰

ص۲۶ . ایضاً، ص ۹۶- ۹۵

ص۲۷ . قیصرنامہ، ص ۴- ۱۶۳

ص۲۸ . ایضاً، ص ۵۲۸

ص۲۹ . ایضاً، ص ۶۵۹

ص۳۰ . دیوان ادیب، ص ۴۴

ص۳۱ . ایضاً، ص ۱۳۸

ص۳۲ . قیصرنامہ، ص ۵۰

ص۳۳ . ایضاً، ص ۳۸

ص۳۴ . ایضاً، ص ۱۴۷

7062

۳۵۔ قیصر نامہ، ص ۶۵۸

۳۶۔ قیصرنامہ، ص ۴- ۱۶۳

۳۷۔ ایضاً، ص ۶۱

۳۸۔ ایضاً، ص ۷۰

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۰۸

۴۰۔ ایضاً، ص ۲۲۶

۴۱۔ ایضاً، ص ۳۴۷

۴۲۔ ایضاً، ص ۲۶۶

۴۳۔ ایضاً، ص ۹۵

۴۴۔ ایضاً، ص ۶۷۳

۴۵۔ ایضاً، ص ۵۷۸-۵۷۷

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۹۴- ۱۸۴

۴۷۔ ایضاً، ص ۵۱۵- ۵۱۴

۴۸۔ ایضاً، ص ۳- ۶۹۲

ACC No. 7062 Date 10/8/98
Section ..... Status .....
D.D. Class .....
NAJAFI BOOK LIBRARY

بنیاد اندیشه اسلامی